مکتوبات آزاد

یعنی

تاجدار اقلیم ادب شمس العلما

پروفیسر آزاد دہلوی کے پُر معنی و دلچسپ

خطوط کا بالتصویر مجموعہ

جو رسالہ مخزن لاہور [illegible] سے مرتب کیا گیا ہے

مع ایک ضروری دیباچہ

سنہ ۱۹۰[illegible]

باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس لاہور میں چھپا

دیباچہ مکتوبات آزاد

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

کم وبیش بائیس برس کا زمانہ گذرتا ہے کہ راقم سطور ہذا نے جس کی عمر اُن دنوں دس گیارہ سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ حضرت آزاد کو اپنے وطن مالوف کے ایک خانہ باغ میں ٹہلتے ہوئے کمال ذوق وشوق کے ساتھ مندرجہ بالا شعر پڑھتے سُنا اور مصرع ثانی کے پانچوں لفظوں پر یکے بعد دیگرے زور دے دے کر معانی مختلفہ کا مزہ لیتے دیکھا۔ مولانائے موصوف پر اسوقت ایک ایسی زبردست وجدانی کیفیت طاری تھی اور شعر مذکور کے الفاظ کچھ ایسے نرالے انداز سے انکی زبان فیض ترجمان سے ادا ہو رہے تھے۔ نیز آپ کی حرکاتِ چشم وابرو اور جنبشِ دست وبازو کچھ اس طرح محسوساتِ قلبی کا پتہ دے رہی تھیں کہ راقم الحروف باوجود اس کم سنی وناسمجھی کے اُس سے علی قدر حال متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور شعر مرقومہ صدر فوراً اسکے لوحِ دل پر "کالنقش علی الحجر" ثبت ہوگیا اور اس کے بعد وقتاً فوقتاً خاص خاص موقعوں پر اُسی موہوم تاثیر کے ساتھ یاد آتا رہا جو حضرت آزاد کے تصرف نے اُس میں پیدا کر دی تھی۔ لیکن اس کے معانی کی جو پوری دلخراش و حسرت انگیز تشریح دس سال کے بعد یہ خبر وحشت اثر سُنکر ہوئی کہ "مولانا آزاد نے بہ آں ہمہ علائق روزگار محویت و استغنا کا آخری درجہ حاصل کر کے دکھا دیا اور صدماتِ پیہم سے تنگ آکر دنیا واہلِ دنیا کے تعلقات سے یک لخت ہاتھ اُٹھا لیا"۔ اس کا اظہار بذریعہ الفاظ کسی طرح

ممکن نہیں بس ع

دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

کیونکہ گو مولانائے موصوف نے سنِ رُشد و تمیز کو پہنچتے ہی عملی فواید پر خیالی دلچسپیوں کو ترجیح دینی شروع کر دی تھی اور اوائل شباب ہی میں اپنی طبیعت کا یہ نرالا رنگ معاصرین و احباب پر ظاہر فرما دیا تھا اور بیس بائیس سال کی عمر میں قدامت پرستی کو کھلم کھلا اپنا شعار خاص قرار دے لیا تھا نیز صُوفیائے کرام کے معتقدات میں جن دو عالموں جسمانی و روحانی یا عقلی و عُلوی کا الگ الگ یا دہونا مذکور ہے اُنکی دیکھ بھال اپنے لئے ضروری ٹھہرائی تھی اور اپنے اوقاتِ گرامی کا ایک حصّہ رُوحانیات پر غور کرنے اور دونوں عالموں کے ظاہری و باطنی تعلّقات کا پتہ لگانے کے لئے مختص کر رکھا تھا۔ اور دیانت و تصوّف میں جو ریاضتیں تزکیۂ نفس و تصفیۂ باطن کے لئے مقرّر ہیں۔ وُہ مہنتوں اور درویشوں کی صحبتوں میں رہ کر سیکھی تھیں۔ متعدد اشغال و اذکار کو اپنا لازمۂ زندگی بنا یا تھا۔ اور ذکرِ خفی و جلی اور وردِ ناد علی میں وہ مشق بہم پہنچائی تھی کہ آپ کے سانس کی حرکات بعض اوقات پاس بیٹھنے والوں کو چونکا دیتی تھیں۔ غدر کے بعد کئی اُفتادیں آپ پر پڑیں اور ایک سے زیادہ مرتبہ آپ کی زندگی معرضِ خطر میں رہی۔ مگر کوئی دقّت یا صعُوبت آپ سے یہ شوق ترک نہ کرا سکی۔ سفر کا آپ کو بارہا اتفاق ہوا۔ مگر یہ سلسلہ ہر جگہ ساتھ رہا۔ خواہ آپ شمالی ہند و افغانستان میں پھرے خواہ ترکستان و ایران میں تشریف لے گئے۔ مگر کہیں اس رفیقِ طریق کو جُدا کرنا گوارا نہ فرمایا اور دورانِ سیاحت میں برابر آپ کو یہ چیٹک لگی رہی کہ کسی پہنچے ہوئے اللہ والے بزرگ سے سابقہ پڑے جو اپنی توجّہ سے ہستی کا اصلی راز آپ پر منکشف کر دے اور عالمِ بالا کی سیر کے متعلق آپ کا دیرینہ اشتیاق پورا کرے۔ خصوصًا جو حیرت انگیز فوق العادۃ کرشمے مختلف مذاہب میں اہلِ باطن سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ اُن کی

حقیقت آپ کو جتائے اور فلاحِ دُنیا و صلاحِ عقبیٰ کے لیے جن بزرگوں کا دامن آپ نے پکڑا ہی
انکی ارواحِ طیبہ سے حسبِ دلخواہ فیض پہنچا تے۔ ایک طرف تو یہ خیالات تھے جنھوں نے سالہا
سال کی پختگی سے عقاید کا درجہ حاصل کر لیا تھا اور دوسری جانب وجہ معاش میں بھی آپکو تعلیم و
تحقیق السنہ ہی سے واسطہ پڑا تھا۔ اور اس کام میں جو تین زبانیں فارسی اُردو اور ہندی
آپکا سرمایۂ امتیاز تھیں۔ اُنکے لٹریچر کا دار و مدار صرف شاعری پر آکر ٹھہرا تھا۔ اس لئے آپ کی
بود و باش زیادہ تر تخیل کی دُنیا میں رہتی تھی۔ اور شعرائے ہند و فارس کے نتائج افکار ہر وقت
آپ کے انیس خلوت ہوا کرتے تھے۔ اس لئے کوئی محلِ تعجب نہیں کہ جب اسباب زمانہ کی
ناقدری و بیوفائی اور دُنیائے دنی کے مصائب و آلام کا ساکنانِ عالم خیال کی دلجوئی و
مدارات سے مقابلہ پیش آیا تو آخر الذکر طمانیت و یکسوئی کا گلزار سراپا بہار دکھا کر اور سالہا سال
بے غل و غش اُس میں سیر کرنے کی اُمید دلا کر حضرت آزاد کی طبیعت کو اپنی طرف کھینچ لینے میں
کامیاب ہوگئے اور مولانائے موصوف جملہ تعلقات دُنیاوی سے منہہ موڑ کر اور عقل و خرد کے
ساتھ ملکی لٹریچر کو روتا چھوڑ کر یہ شعر پڑھتے ہوئے دیارِ تہتور کے گلشن بے خزاں میں جا پہنچے

زہُشیارانِ عالم ہر کرا دیدم غمے دارد
دلا دیوانہ شو دیوانگی ہم عالمے دارد

وہاں کی فضا کچھ ایسی آپ کے جی کو بھائی کہ آپ نے وہیں چھاؤنی چھالی۔ اور گذشتہ بارہ سال
میں سوائے گاہ گاہ کی سرسری و غلط انداز نگاہ کے اس طرف مطلق التفات نہ فرمایا اور
شائقین زبانِ اُردو کے لئے حسرت و یاس کا وُہ عالم بہم پہنچایا کہ مشہور مصرع

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

کا پُورا مصداق اگر وُہ سارے ہندوستان میں کسی کو پاتے ہیں تو جناب شمس العلما مولانا
محمد حسین صاحب آزاد دہلوی سابق نامور پروفیسر السنۂ شرقیہ گورنمنٹ کالج لاہور گرامی قدر

مصنف آبِ حیات و نیرنگ خیال و دربار اکبری و سخندان پارس وغیرہ ہی کو پاتے ہیں اور جہاں پہلے مولانائے ممدوح کی زبان قلم سے پھول اور موتی جھڑتے دیکھتے تھے وہاں اب وہ اُن کی حالتِ زار پر اشکِ حسرت بہاتے ہیں۔ اُف ؎

پکارتی ہے خموشی مری فغاں کی طرح
نگاہیں کہتی ہیں سب رازِ دل زباں کی طرح

غور کیا جائے تو مولانا کی حالت کا یہ زبردست انقلاب کچھ زیادہ حیرت انگیز نہیں۔ کیونکہ حکمائے مشرق و مغرب دونو اس بارہ میں متفق الرائے ہیں کہ دماغی کام کرنے والے اپنی محویت و استغراق سے یہ رستہ برابر طے کرتے رہتے ہیں اور شعراء تو بلند پروازیٔ خیال کی مدد سے اکثر اس کی سرحد کے لگ بھگ ہی پہنچ جاتے ہیں چنانچہ ایک بڑا یونانی فلسفی لکھتا ہے کہ "اگر میں اپنے تمام خیالات لوگوں پر ظاہر کروں تو فی الفور پاگل قرار پاؤں"۔ گولڈ اسمتھ اپنے ایک مضمون میں زبان کی اِس تعریف کو کہ "وہ اظہار خیالات کا ذریعہ ہے" غلط ٹھہراتا ہے اور بدلائلِ محکم ثابت کرتا ہے کہ یہ تعریف صرف حواس باختہ و مضطرب زدہ لوگوں ہی پر صادق آسکتی ہے۔ صحیح الدماغ اشخاص کے لئے زبان کی تعریف یہ ہونی چاہئے کہ وہ اسکی مدد سے اپنی اصلی حالت کو چھپاتے ہیں اور اکثر اوقات اپنے قلبی محسوسات کے بدلے اُوپری معاملات لوگوں پر ظاہر کرتے ہیں۔ افلاطون مانتا ہے کہ ہر فردِ بشر پر وقتاً فوقتاً دیوانگی کی حالت طاری رہتی ہے اور زیادہ تر یہ نامعلوم طریق پر ہوتی ہے خصوصاً جو اشخاص تحقیقات و اختراعات کے درپے ہوتے ہیں وہ خود کو زیادہ اس کا مورد بناتے ہیں۔ حکیم ارشمیدس کا قصہ مشہور ہے کہ حمام میں غسل کرتے وقت پانی کے حوض میں طاس کو ڈوبتے اور بعد ازاں اسکے حجم کے پانی کو اُچھلتے دیکھ کر معاً "ترازوئے آبی" کا خیال اس کے ذہن میں آیا اور فرط مسرت سے وہ اس قدر مدہوش ہوا کہ فوراً "پالیا" "پالیا" کہتا ہوا ننگا حمام سے نکل بھاگا اور سیدھا

کے دربار میں جا داخل ہوا۔ یورپ کے اخبارات میں بذیل "لطائف وظرائف" آئے دن بڑے بڑے نامی پروفیسروں کی خود فراموشی کے واقعات چھپتے رہتے ہیں۔ لارڈ کیلون جو اسوقت نہ صرف انگلستان بلکہ دُنیا کے چیدہ سائنس والوں میں گن جاتا ہے۔ اُس سے کئی بار ایسی حرکات سرزد ہو چکی ہیں کہ کوئی نادان بچہ بھی اتنا بھولکڑ نہ ہوگا۔ خود جناب آزاد کے نامور اُستاد ملک الشعراء خاقانی ہند حضرت ذوق مرحوم کی نسبت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ آپ چلم کے لئے آگ لینے جو نکلے تو کسی شعر کی دُھن میں ٹھیکرا ہاتھ میں لئے نہ بند باندھے۔ ٹوٹی سی جوتی پہنے ایک رئیس کے دولت سرا تک چلے گئے اور ایک بار نہانے کے ارادہ سے جو چلے تو اسی ہیئت کذائی سے قلعہ کے اندر پہنچ گئے۔ لوگ حیران و انگشت بدنداں تھے۔ مگر کسی کی مجال نہ تھی کہ اُستاد شاہ کو ٹوک سکتا۔ آخر آپ سراپردہ شاہی پر جاکر چوبدار کے سلام کرنے سے رُکے اور اس وقت آپ کو اپنی حالت کا ہوش آیا۔ گھبرا کر باہر نکلنے کو تھے کہ اتنے میں یہ بات بادشاہ کے کان تک جا پہنچی۔ حضور فوراً بنفس نفیس برآمد ہوئے۔ اور بمنت اُستاد کو اندر لے گئے۔ اور بڑے اصرار سے وُہ اشعار سنے جنہوں نے حضرت ذوق کو اس قدر وارفتہ و محو کر دیا تھا۔ پھر جو اُستاد باہر نکلے تو گرانبہا خلعتِ شاہی زیبِ تن فرما کر نکلے۔ مرزا غالب مغفور کے دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ آپ کوٹھے پر رہا کرتے تھے اور نیچے دیوانخانہ میں محلّہ کے تمام بیفکرے آکر جمع ہوتے تھے حُقّہ پان وغیرہ سے اُنکی تواضع کی جاتی تھی۔ اور جب کسی شاگرد یا رئیس کے ہاں سے میوے یا مٹھائی کی نذر یا سوغات آتی تھی تو اُس میں بھی ان لوگوں کا حصّہ لگتا تھا۔ ان بیٹھنے والوں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ۔ خوانده۔ نیم خوانده۔ جاہل۔ خلیق۔ بدمزاج سب ہی طرح کے لوگ ہوتے تھے۔ اور چونکہ اکثر گنجفہ۔ شطرنج۔ چوسر وغیرہ کا شغل رہتا تھا۔ اِس لئے باتوں باتوں میں تکرار بھی ہو پڑتی تھی اور خوب غُل مچتا تھا۔ جس کی آواز جب مرزا صاحب کے کان تک

جاتی تھی تو وہ سمجھتے تھے کہ ہاں ویوان خانہ آباد ہے"۔ اگر اتفاق سے کسی روز جمگھٹا نہ ہونے
پاتا تھا یا شور و شغب کی نوبت نہ آتی تھی تو مرزا صاحب کچھ افسردہ سے ہوجاتے تھے اور ملازموں
سے فرماتے تھے کہ "دیکھنا میاں۔ آج محلّہ میں خیریت تو ہے۔ کوئی حادثہ تو نہیں ہوگیا" نوکر
جنہیں لوگوں کی چلمیں بھرنی اور متفرق کام کرنے پڑتے تھے۔ دِل میں دعائیں مانگتے
تھے کہ آج دیوانخانہ گرم نہو۔ مگر جب مرزا صاحب کو بیچین دیکھتے تھے۔ تو دل ہی دل میں سُلگتے
اور زبان سے کچھ بڑبڑاتے ہوئے لوگوں کے گھروں پر جاتے تھے اور آواز دیکر کہتے تھے"
بھئی چلو۔ بڈھے کو سودے کا زور ہوا۔ چلو چل کر او دھم مچاؤ"۔ لیکن یہ حالت ملازموں
کی عارضی تھی ورنہ درحقیقت ہر شخص اُنکا عاشق و جان نثار تھا۔ مرزا صاحب اپنی شاہ خرچی
اور فیاضی کے باعث اکثر تنگدست رہتے تھے اور نوکر بھی اُنکے ساتھ پریشان ہوتے تھے
مگر کبھی کوئی ملازم حرف شکایت زبان پر نہ لایا اور بڑے بڑے رؤسا کے ہاں زائد تنخواہ پر بھی کسی نے
جانا نہ چاہا۔ خاصکر کلو۔ کلیان جنہوں نے اپنی خدمت کا سب سے بڑا صلہ یہ پایا ہے کہ مرزا صاحب
کے رقعات مندرجۂ اُردوئے معلّی و عودِ ہندی نے صدیوں تک اُنکے بقائے نام کا سامان کردیا ہے
اُن سے اس قدر مانوس تھے کہ کلّو نے انکی وفات کے بعد پھر کسی کی نوکری ہی نہیں کی۔
اور ساری عمر انکی یاد اور فاتحہ خوانی میں گذار دی۔ راقم الحروف نے کلّو سے بارہا مرزا صاحب
مرحوم کے حالات سُنے ہیں مگر کبھی اُس نے ٹھنڈا سانس لئے اور سخت حسرت ظاہر کئے
بغیر اُنکا ذکر شروع نہیں کیا۔ دیوانخانہ میں بیٹھنے والوں کی نسبت وہ کہا کرتا تھا کہ جناب
مرزا صاحب بعض اوقات دنوں نیچے نہ اُترتے تھے اور انکی صورت تک نہ دیکھتے تھے۔
مگر وہ غل غپاڑہ گویا انکی غذائے روح تھا۔ جس کے بغیر انہیں کل نہ پڑتی تھی۔ ان لوگوں سے
اگر وہ کبھی کچھ کام لیتے تھے تو یہ لیتے تھے کہ جب کوئی نیا مضمون باندھتے تھے اور اسکی
مسرّت کے کیف میں بیخود ہو جاتے تھے تو نیچے تشریف لے آتے تھے اور وہ شعر

لوگوں کو سناتے تھے۔ اور داد لیکر پھر اُلٹے پائوں واپس چلے جاتے تھے۔ کبھی ایسا موقع ہوتا تھا
کہ دیوانخانہ میں چند ناخواندہ شخص جمع ہیں جو شعر کا مطلب تو درکنار اُس کی ترکیب لفظی کو بھی نہیں
سمجھ سکتے مگر مرزا صاحب مغفور پر شوق کا وُہ غلبہ ہوتا تھا کہ اُنہی کو سُناتے تھے۔ ایک ایک لفظ
کی تشریح کرکے بتاتے تھے اور داد لیتے تھے۔ کلو کا بیان ہو کہ کئی مرتبہ ایسا بھی دیکھا کہ دیوانخانہ
میں چڑیا بھی نہیں۔ لیکن مرزا صاحب آئے اور دروازہ میں کھڑے ہوکر آپ نے فرمایا "لوبھئی
سُنو۔ کیا مضمون ہاتھ آیا ہے"۔ اور پھر آپ نے شعر پڑھا اور اسکی ضروری تشریح کی اور مطمئن ہوکر
پھر کوٹھے پر چلے گئے۔ مُلازم چُونکہ ان حالتوں سے واقف تھے اِس لئے خاموش رہتے تھے
اور بعض اوقات کسی معمولی آدمی کو چُپکے سے دیوانخانہ میں بھیج دیتے تھے تاکہ مرزا صاحب
کی تکلیف رائگاں نہ جائے اور وُہ آزردہ نہ ہوں۔ حالانکہ انہی مرزا نوشہ کی نازک دماغی کا یہ حال تھا
کہ بعض موقعوں پر جناب نواب ضیاء الدین خاں مرحوم نیر و رخشاں اور نواب مُصطفےٰ خاں شیفتہ مرحوم
اور نواب علاء الدین خاں علائی مغفور جیسے روسائے بلند پایہ منتیں کرتے کرتے تھک
جاتے تھے اور وہ ایک مصرع تک زبان پر نہ لاتے تھے۔ اللہ اللہ سچ کہا ہے کہ شاعر
اپنے رنگ میں بادشاہ سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ حکیم مومن خاں مغفور کا یہ عالم تھا کہ راستہ میں چلتے
چلتے خود بخود ٹھٹھک جاتے تھے اور پھر چلنے لگتے تھے۔ ایک دو شاگرد یا معتقد ساتھ لپٹے رہتے
تھے کہ کہیں کسی گاڑی گھوڑے کی زد میں نہ آجائیں۔ پھر بھی ایسا ہوا کہ کئی بار چوٹ کھائی اور کئی بار
گرتے گرتے بچے۔ آپ کے ہاتھ کی جنبش اکثر اُس خیال کا پتہ دیا کرتی تھی جس میں آپ غرق ہوتے
تھے۔ کبھی دونوں ہاتھ بھی چلتے تھے۔ ایک شاہزادہ صاحب کا بیان ہے کہ کلاں محل میں ایک بالاخانہ
پر ہم چند احباب کی نشست رہتی تھی۔ حکیم صاحب بھی گاہے ماہے قدم رنجہ فرماتے تھے اور چونکہ ہم میں
قریب قریب سب تعلیم یافتہ اور مذاق سخن کے دلدادہ تھے اسلئے اپنا کلام بھی سُناتے تھے۔
ایک روز میں بالاخانہ کے چھجے پر بازار کے رُخ بیٹھا تھا۔ دُور سے دیکھتا کیا ہوں کہ جناب حکیم صاحب

جھومتے جھامتے چلے آرہے ہیں۔ مگر آپ کا دایاں ہاتھ عجب انداز سے ہلتا جاتا ہے۔ جیسے کوئی کسی چیز کو جھٹکتا
ہو۔ جب کوٹھے کے نیچے آئے تو میں نے آواز دی "تھوڑی دیر کے لئے قدم رنجہ فرمائیے"۔ مگر اُنہوں نے مطلق اعتنا نہ
فرمایا میں نے پھر بُلایا۔ اور جب دیکھا کہ یہ سُنتے ہی نہیں تو خود نیچے اُتر گیا مگر آپ آگے بڑھ گئے تھے میں نے
دبے پاؤں آپ کے قریب جا کر سُنا تو اس مصرع کی تکرار فرما رہے تھے ع مومن چلا ہے کعبہ کو ایک پارسا کے ساتھ۔
میں نے کہا "اچھا حضرت پھر ہم سے بھی گلے ملتے جائیے۔ خدا خیریت سے واپس لائے"۔ اس پر آپ نے پلٹ کر
میری طرف دیکھا اور مُسکرا دیئے۔ حکیم صاحب مغفور کی ایک یہ بھی عادت تھی کہ راتوں کو دو دو تین تین بجے سوتے
سوتے اُٹھ کر باہر نکل آتے تھے اور جس طرف منہ اُٹھتا تھا چلدیتے تھے۔ لوگوں کو خبر ہوتی تھی تو تلاش میں نکلتے
تھے ایسی حالتیں ظاہر کرتی ہیں کہ شعراء کو بیخودی و خود فراموشی سے اکثر سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ مگر اُن حضرات میں حالتیں
عارضی ہوتی تھیں۔ اور حضرت آزاد کے معاملہ میں ملک و زبان کی بدقسمتی سے اُنہوں نے استقلال کا درجہ قبول
کر لیا ہے! او فرط استغراق سے یہ عالم ہم پہنچا ہے کہ گھنٹوں اور دنوں تو درکنار ہفتوں اور مہینوں بھی آپ
اپنے آپ میں نہیں آتے۔ اللہ اللہ۔ شاہد حقیقی کی کیسی تلاش ہے کہ اس میں خود ہی کو بالکل گم کر دیا ہے

کھویا گیا ہوں دیکھئے پاتا نامہ بر کو میں   اپنی خبر کو جاؤں الٰہی کدھر کو میں

درحقیقت حضرت آزاد اور زبانِ اردو دونوں کی بدقسمتی تھی کہ آپ نے ایسا بُرا زمانہ پایا جبکہ لوگ ایشیائی
تہذیب کو علی وجہ الکمال نباہنے کا اپنے میں سکت نہ پاتے تھے اور مغربی رنگ سے اچھی طرح آشنا نہ ہوئے تھے
اس لئے جناب آزاد کو اپنی مساعی اصلاح و ترقی زبان میں سالہا سال بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔
پرانے فیشن کے بزرگوار آپ کے نیچرل مذاق کا پورا لطف اٹھانے اور سادگی و بیساختہ پن کو تصنع و آرائش
پر ترجیح دینے کے لئے تیار نہ ہو سکے۔ اور انگریزی تعلیم یافتہ اصحاب یوروپین خیالات کے اس قدر
پیچھے پڑے کہ انہیں جناب آزاد کی نظم و نثر مغربی چاشنی کے ساتھ بھی بخوبی مطبوع نہ ہوئی اور اُنکی زبان
گویا تمام ہندیکا چٹخارہ ہی بھول گئی اسلئے جناب آزاد نے اُردو لٹریچر خصوصاً نظم کا جو اعلیٰ ذخیرہ بڑی محنت و لاگت سے فراہم کیا تھا وہ پورے طور کر
استعمال نہ ہو سکا۔ اور آبِ حیات جیسی نادر تصنیف جس جانکاہی و مغزپاشی سے تیار کی گئی ہے اُسکی مُلک سے پوری داد نہ ملی +

اور ابتدائی اڈیشن کی جو جلدیں نکلیں بھی وہ سررشتۂ تعلیم کی عنایت سے مدارس کی انعامی کتابوں میں نکلیں اور نیرنگِ خیال تو اس میں داخل ہونے کی وجہ سے بکی۔ مگر اس سے مولانا کا مُدعائے دلی حاصل نہ ہونے پایا اور وُہ بجائے شگفتہ کے شکستہ خاطر ہو گئے۔ اور بعد کے صدمات کی تاب لاسکے۔ اسطرح پبلک کی لاپروائی کا نہایت مفرد ناگوار نتیجہ یہ نکلا کہ ملک صرف مولانائے ممدوح کی تلاش وتحقیق کے دیگر دلچسپ کارآمد نتیجوں اور طبع آزمائی وخامہ فرسائی کے قیمتی و دلاویز نمونوں سے جنمیں سے بعض قریبًا مرتب ہو چکے تھے اور بعض کا خاکہ آپ کے ذہنِ رسا میں کھچا ہوا تھا۔ محروم ہو گیا اور آبِ حیات میں موعُود اضافہ۔ جو بسا ضروری تھا۔ نہ ہونے پایا۔ بلکہ ناقابل ہاتھوں میں پڑکر اُلٹی اُس کی مٹی پلید ہوئی اور سب سے بڑھ کر مصیبت یہ پیش آئی کہ خود مولانائے ممدوح وُہ آزاد نہ رہے۔ ہائے ع

وُہ چمن ہی اُڑ گیا جس میں بہار آنیکو تھی

اگر ہومر کے ساتھ بے اعتنائی برتنے۔ ملٹن کو مبتلائے فلاکت رکھنے اور اسکی معرکۃ الآرا تصنیف "پیراڈائز لاسٹ" صرف پانچ پونڈ کو بکوانے۔ جانسن کو دردر کی ٹھوکریں کھلوانے۔ خاقانی کو جیلخانہ بھیجنے۔ ڈانٹی کو حسرت کی مُوت مارنے۔ فردوسی کو شکستہ خاطر دُنیا سے اُٹھانے۔ حضرتِ میر سے افلاس کے صدمے سہوانے۔ مُصحفی کا گذارہ غزلوں کی تجارت پر ٹھہرانے اور زُلالی کو جلاوطنی پر مجبُور کرنے میں اُنکے اہلِ وطن موردِ الزام ہو سکتے ہیں۔ اور بیدرد و ناقدردان قرار پاسکتے ہیں۔ تو مجھے یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ حضرتِ آزاد کی طبیعت کے اس دردناک وحسرت انگیز انقلاب کی ذمہ واری بھی اُردو زبان کے برتنے والوں پر عائد ہوتی ہے اور شمالی ہند کے باشندے اخلاقی طور پر اس کے جوابدہ سمجھے جاسکتے ہیں کہ اُنھوں نے اپنی زبان کے سب سے بڑے محسن و مربّی اور لٹریچر کے رفارمر کی پُوری قدر نہ کی اور اُن سے اتنا خوشحال و فارغ البال نہ بنایا کہ وُہ معمولی حوادثِ روزگار

کا مقابلہ کرسکتا۔ اور مالی نقصانات و قلبی صدمات کو خاطر میں نہ لاتا۔ یہ مانا کہ جیسا میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ اس ناگوار تبدیلی کے اسباب ابتدا سے اُس کی طبیعت میں موجود تھے۔ مگر اُن کی موجودہ سقیم حالت کی جو فوری وجوہ بتائی جاتی ہیں۔ اُن میں سے بعض۔ مثلاً امانت کا روپیہ ڈوبنا۔ کتب خانہ میں آگ لگنی۔ اختلاج قلب کا زور ہونا۔ یقیناً ایسی ہیں جو خوشحالی کی صورت میں یا تو ٹل جاتیں یا اس قدر مضرت انگیز نتیجہ نہ پیدا کرتیں۔ مگر ع

اب پچھتائے کیا ہوئے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

خدا بھلا کرے۔ ڈاکٹر لائٹنر و کرنیل ہالرائیڈ وغیرہ نیک نہاد و شریف نواز افسران سررشتۂ تعلیم پنجاب کا۔ جنہوں نے قصص ہند حصۂ دوم۔ نیرنگِ خیال۔ جامع القواعد اور مثنویات بھی مولانا آزاد سے لکھوا کر چھپوالیں۔ اور آبِ حیات کی تالیف و اشاعت میں بالواسطہ سہارا دیا اور دربار اکبری کی تیاری کا سامان پیدا کیا ورنہ اگر مولانا کی دوسری تصانیف کی طرح کہیں ان کتابوں کا نکلنا بھی اہلِ ملک کی اعانت پر منحصر ہوتا تو شاید دہلی و لاہور کے باہر کوئی آزاد کا نام بھی نہ جانتا اور دوسری کثیر التعداد مثالوں کی طرح اُن کا سرکاری خطاب "شمس العلما" بھی محض مقامی وقعت رکھتا اور اُنکے مسودات جھینگروں اور دیمک کی خوراک بننے کے سوا کسی کام نہ آتے۔ جیسا کہ انگلستان کے نامور شاعر "گرے" نے اپنی مشہور عالم نظم "ایلیجی" میں لکھا ہے "بیسیوں آدمی شیکسپیر اور ملٹن کا سا دل و دماغ لیکر منصۂ عدم سے عرصۂ شہود میں آئے مگر نامساعدت زمانہ نے اُنکے ارمان دل کے دل ہی میں رکھے اور آخر انہیں خاک میں ملا دیا" لیکن جناب مولانا آزاد کے معاملہ میں بڑی دردناک اور حسرت انگیز حالت یہ ہے کہ پہلے تو عرصہ دراز تک ملک نے اُنکے فیوض و کمالات کا پورا اعتراف نہ کیا اور اُنکی قدرشناسی و حوصلہ افزائی کا سہرا صرف پنجاب گورنمنٹ کے سر رہا۔ لیکن جب ابنائے وطن کو اس جوہر قابل کی کچھ پرکھ آئی اور اس کے شعشعہ اُنکے دلوں میں گھر اور تاریک کلبۂ خاطر کو منور کرنے لگے تو متواتر صدمات و آلام سے

اُس پر گرد کدورت چھاگئی اور گو فیض کی کرنیں نکلنی موقوف نہیں ہوئیں مگر بندھ کر پڑنے کی بجائے منتفرق ہو کر گرنے لگیں جس کی وجہ سے وہ روشنی مدہم کیا بالکل ہی ماند ہوگئی - افسوس - قدردانان اُردو اب اُن دلنشین فقرات کے لئے تملاتے اور مولانائے ممدوح کے نتائج افکار کی دید کا بیحد اشتیاق جتلاتے ہیں - مگر اب کیا ہو سکتا ہے ؟ مولانا کے قیمتی مسودات اُن کے حواس کی طرح منتشر ہو کر زبان حال سے اپنے مصنف کی بپتی سُنا رہے ہیں اور شائقین اُردو پر سچا الزام لگا رہے ہیں کہ ؎

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا!

مولانائے ممدوح کی زیارت اب ساکنین لاہور کے لئے بمقابلہ سابق بہت آسان ہوگئی ہے اور ہر کس و ناکس اُنکی ہمکلامی کا شرف بھی حاصل کر سکتا ہے - کیونکہ آپ برابر پھرتے رہتے ہیں اور اپنی عادت مستمرہ کے موافق اکثر صبح کو مختلف مزارات پر بھی جاتے ہیں نیز سوائے خاص خاص موقعوں کے جبکہ آپ کسی خاص دُھن میں ہوں - عموماً ہر شخص کی بات کا جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں اور اُسی طرح صحیح اُردوئے معلّیٰ کے الفاظ آپ کی زبان سے ادا ہوتے ہیں - وہی انداز گفتگو - وہی طرز ادا - وہی لب و لہجہ - وہی محاورات - وہی امثال - وہی موقع بموقع اشعار کی چاشنی اسوقت بھی آپ کے کلام میں موجود ہے - بلکہ صداقت نے درد اور بڑھا دیا ہے اور زمانہ سازی کی اُلجھنوں سے آپکو چھڑا کر بیساختہ پن پیدا کر دیا ہے مگر افسوس ہے کہ خیالات میں ایک تسلسل نہ ہونے سے یہ ساری خوبیاں ہیچ ہیں - دو چار فقروں کے بعد سلسلۂ گفتگو کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے اور سامع ربط کو ٹٹولتا رہ جاتا ہے - بعض اوقات کوئی لفظ آپ کو کسی خاص واقعہ کی یاد دلاتا ہے - اور بلاضرورت اُسکا تذکرہ شروع ہو جاتا ہے - مگر بہت کم وہ خاتمہ تک پہنچتا ہے - چونکہ معلومات کی غیر معمولی وسعت اور الفاظ کی حد سے زیادہ کثرت نے ایک نہایت فراخ میدان آپ کے لئے مہیا کر رکھا

ہے اِس لئے ذہن پُوری آزادی سے اُس میں ہر طرف دوڑتا پھرتا ہی اور ایک سرے تک پہنچنے نہیں پاتا کہ دُوسری طرف کوئی رنگین پُھول دیکھ کر اُدھر مُڑجاتا ہی اور اُدھر جاتے جاتے پھر پلٹ پڑتا ہے۔ گویا آپکا عنقائے خیال ہر وقت فضائے لامکان میں پرواز کرتا رہتا ہے اور کبھی کبھی زمین کی طرف متوجہ ہوکر نیچے اُترنا شروع کرتا ہے کہ فطری رفعت پسندی پھر اُس کا رُخ بدل دیتی ہے اور اوپر بُلا لیتی ہے۔ بھلا کس کی عقل کے بازوؤں میں اتنی طاقت ہی کہ اس تیز پری و بلند پروازی میں مولانا کے خیال کا ساتھ دے اور اُن عجیب و غریب نظاروں کا لُطف اُٹھائے؛ جن لوگوں کو آپ کے مذاق و عادات سے آگہی ہے۔ اور جو آپ کے سوانح عمری سے واقفیت رکھتے ہیں اُن کا ذہن بھی تھوڑی دیر میں تھک کر رہ جاتا ہے۔ اور مولانا کے توسن فکر کی گرد کو بھی نہیں پاتا۔ واقعی اِس بارہ میں آپ کا یہ فخر کہ؎

میں ہُوں وُہ رہ نوردِ شوق میرے ساتھ جاتا ہے

بسانِ سایۂ مُرغِ ہوا نقشِ قدم میرا

بالکل بجا ہے۔ مگر وائے بر حال ہم بدنصیب مشتاقوں کے کہ اُن نکات کو نہیں سمجھ سکتے اور ایجاد و اختراع کی جو زبردست قابلیت آجکل آپ میں آگئی ہے اس سے کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ البتہ آپ کی باتوں کا اگر کچھ اثر ہوتا ہے تو رنج و حسرت کا ہوتا ہے اور سناٹا سا آجاتا ہے۔ راقم سطور ہذا کو چونکہ زمانہ طفولیت میں مولانا صاحب کی نصیحت آمیز گھرکیاں جھڑکیاں کھانے کا اتفاق ہُوا اور اُن گھروں میں اس نے پرورش پائی جن کے بزرگ مکینوں کو پہلے سلطنتِ مُغلیہ کے ٹمٹماتے ہُوئے چراغ کی آخری بھڑک دیکھنے اور اس یادگاری زمانہ کے اہلِ کمال کی صحبتیں اُٹھانے کا اتفاق ہُوا تھا۔ اور اب فلاکت و ادبار کے ہاتھوں صرف یادِ ایام کا شغل باقی رہ گیا تھا۔ اِس لئے بہت سی باتیں اس کے کان میں پڑیں۔ جنکی وجہ سے حضرت آزاد کی لٹریری کوششوں اور جان فشانیوں کے متعلق اسے نہ صرف وُہ حالات معلوم ہوتے جو اُنکی

کتابوں سے اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ بلکہ بہت سے خاص امور کا پتہ لگا۔ جنھوں سے مولانا کی عظمت دل پر نقش کردی اور زبان کے ایک زبردست محسن اور انشاءپردازی کے گرامی قدر رفارمر کی حیثیت میں اُنکی خاص عقیدت قائم کی جس کے اثر سے اب یہ کیفیت بہم پہنچی ہو کہ جب کبھی چلتے پھرتے حضرتِ آزاد کی نورانی صورت نظر آجاتی ہے۔ تو طبیعت پر عجیب عالم طاری ہوتا ہے اور ملک و قوم خصوصًا اُردو زبان کی شومیٔ بخت و محرومیٔ قسمت کے احساس سے دِل بے اختیار دھڑکنے لگتا ہے۔ جسم میں سُنسنیاں ہونے لگتی ہیں۔ اور جو الفاظ مولانا کی زبان سے نکلتے ہیں وُہ تیر کی طرح سیدھے کلیجے میں جاکر بیٹھتے ہیں۔ اور فورًا اُن کے اُستاد کا یہ شعر جسے اُنھوں نے خود آبِ حیات میں نقل کیا ہے یاد آجاتا ہے کہ ؎

یوں پھریں اہلِ کمال آشفتہ حال افسوس ہو
اَے کمال افسوس ہی تجھ پر کمال افسوس ہو

خاصکر ایک دن کی بات تو عمر بھر نہ بھولیگی جبکہ غالبًا اواخر ۱۹۰۴ء میں راقم اپنے مخلص دوست مسٹر سید محمد ایڈیٹر اخبار الحق کراچی کے ساتھ ٹہلتا ہوا دہلی دروازہ کی طرف جارہا تھا مسٹر موصوف اس سے پہلے کئی بار حضرتِ آزاد کی زیارت کا اشتیاق ظاہر کرچکے تھے اور اسوقت بھی یہی کہہ رہے تھے کہ اتنے میں مولانائے موصوف محض اتفاقیہ دُوسری طرف سے ٹہلتے ہُوئے آگئے اور دفتر اخبار آبزرور کے عین مقابل ہماری یکایک اُن سے مُڈھ بھیڑ ہوگئی۔ مولانا کسی خیال میں محو تھے اس لئے اُنھوں نے کچھ توجہ نفرمائی مگر راقم نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور بلاحصُولِ اجازت مسٹر سید محمد کو آپکا نام ونشان بتادیا جس پر وہ بہت خوش ہُوئے اور بڑے شوق سے آپ کو دیکھنے لگے لیکن سو اتفاق کہئے یا کیا کہ گو میں نے مولانا کا نام بہت ہی آہستہ بلکہ قریبًا زیر لب کہا تھا اور اشارہ تک نہ کیا تھا مگر خدا جانے کس طرح مولانائے ممدوح نے سُن لیا کہ چار قدم جاکر آپ پھر

پلٹے اور مسٹر سید محمد سے۔ جو کمال حیرت اور اس سے کہیں زیادہ حسرت کے ساتھ "شمس العلما" پروفیسر آزاد دہلوی کی چلتی پھرتی ہنستی بولتی تصویر کو ٹکٹکی باندھکر دیکھ رہے تھے۔ فرمایا "میاں! اس لڑکے نے غلط کہا۔ آزاد بھلا کہاں؟" اتنا کہکر آپ تو پھر آگے بڑھگئے مگر راقم کے دل پر آپکے سہ لفظی جملہ "آزاد بھلا کہاں" نے گویا بجلی گرادی۔ حسرت واندوہ کا وہ اثر پیدا کیا کہ تھوڑی دیر کے لئے جہان نظر میں سیاہ ہوگیا۔ اور ہجوم خیالات سے دم رکنے لگا۔ افوہ۔ ہندوستان جنت نشان جیسے ملک کی مشترکہ وہر دلعزیز زبان کا سب سے بڑا ادیب اور اسکی نوبت یہ

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

کامل چوتھائی صدی کی حوصلہ فرسا محنت سے ایک بزرگ شخص نے سخت تردد کے بعد اردو کی اراضی میں فلسفیانہ نیچرل تعلیمات کی تخم ریزی کی اور اپنے خون جگر سے اُسے سینچا۔ مگر جب کھیتی کی حفاظت کا وقت آیا تو باغبان عضو معطل بیکار ہوگیا۔ اور اور اپنی تندہی و مغز پاشی کا کچھ ثمرہ حاصل نہ کرسکا یہی نہیں بلکہ پیداوار بھی مقدار میں کم رہی۔ اور جنس ویسی اعلیٰ درجے کی نہوئی جیسی اسکی مزید سعی سے متصور تھی۔ حیف ؎

قسمت تو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند — دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہگیا

لوگونکو اُمید تھی کہ آب حیات کے چشمہ سے مولانائے ممدوح کوئی اور نالی کاٹ کر لائینگے اور دور آخر کے نامور شعرا کو اس سے سیراب کرکے زندگی جاوید بخشینگے۔ دربار اکبری کو بڑی رونق وشان سے سجائینگے۔ اور اسکے مینا بازار کی زمانہ حال کے لوگوں کو سیر کرائینگے۔ خیابان فارس کی چمن بندی از سر نو فرماکر اسمیں نئے گل بوٹے کھلائینگے۔ نیرنگ خیال کے نئے تماشے دکھائینگے۔ ہندوستان کی گذشتہ باکمال خواتین کو کسی مرقع کے محل میں بسائینگے۔ تاریخ ہند کے بہت سے شاندار مناظر نئی نسل کے روبرو پیش کرینگے۔ اور عروس زبان کو اصطلاحات علمیہ کا زیور پہنائینگے جسکے ارادے وہ وقتاً فوقتاً ظاہر فرماتے رہتے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ فلک بد نہاد کی کینہ توزی سے تمام اُمیدوں پر یکلخت پانی پھر گیا اور مایوسی کا یہ مرتبہ پہونچا کہ اب فقط مخزن نے جو مولانا آزاد کے یہ تھوڑے سے خطوط کتابی صورت میں شائع کیے ہیں۔ انکو ہم آپکا ایک قابل قدر تبرک سمجھتے ہیں اور ملک و زبان کے حق میں ایک احسان عظیم سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ ان مکتوبات کے ذریعہ سے رسالہ مخزن نے نہ صرف مولانا کی بے تکلفانہ تحریر کا ایک

ایک دلاویز نمونہ شائقینِ اُردو کو دکھایا ہے بلکہ بالواسطہ اُنکی پُر حوادث مگر قیمتی زندگی کے حالات کا وہ دلچسپ حصہ بہم پہنچایا ہے جسکا مہیا ہونا خود حضرتِ آزاد سے بھی نظر بحالاتِ موجودہ سخت دشوار تھا۔

اہلِ ملک کی غفلت یا تنگدلی بھلا اس سے بڑھکر کیا ہوگی کہ کامل چھ ماہ تک ان مکتوبات کی اشاعت کا سلسلہ مخزن جیسے وقیع و نامور رسالہ میں ۔ جو ماشاءاللہ ہندوستان کے ہر حصہ میں قابل ہاتھوں میں جاتا ہے اور اپنی قدر دانی کا دائرہ سمندر پار چین و جاپان اور امریکہ و انگلستان تک وسیع کرنے میں کامیاب ہو چلا ہے۔ برابر جاری رہا اور لائق ایڈیٹر کی جانب سے دوبار یاران نکتہ دان کو صلائے عام دیا گیا کہ جن اصحاب کے پاس حضرتِ آزاد کے کچھ خطوط موجود ہوں وہ انہیں گمنامی کی تاریکی سے نکال کر شہرت کی روشنی میں لائیں اور اُن پر تمام شائقینِ اردو کا حق استفادہ تسلیم کر کے مولانا کی سوانح عمری لکھنے والے کے لئے معلومات کا ایک کارآمد ذخیرہ جمع کرنے میں مدد دیں۔ مگر کسی بندۂ خدا نے حامی نہ بھری۔ حالانکہ مولانا کی خط و کتابت جس قدر وسیع تھی اور صرف آبِ حیات ہی کی تالیف کے زمانہ میں شعرا و ادبا سے نامہ و پیام کا جو سلسلہ کئی سال تک اُنہوں نے قائم رکھا تھا۔ اُس کے دیکھتے ہوئے یقین نہیں آتا کہ کسی او شخص کے پاس اُنکی تحریریں نہوں اور اُن میں معمولی سے معمولی باعتبارِ صفائی زبان یا افادتِ مطالب دلاویزی کی شان نہ رکھیں۔ مگر افسوس ہے کہ لوگوں کو توجہ و پروا نہیں۔ اور جو معدودے چند حضرات اُن خطوط کی وقعت جانتے بھی ہیں۔ وہ انہیں ضرورت سے زیادہ عزیز رکھتے اور اُنکے دکھانے میں بخل سے کام لیتے ہیں جس سے بڑھکر کوئی چیز ہماری ملکی و قومی کمالات کو مٹانے اور ہماری قدیم صنعتی عظمت کو نقصان پہنچانے والی ثابت نہیں ہوئی حسرت کی بات ہے یا نہیں کہ جس ادیب نے اپنی آبِ حیات کے ذریعہ سے اساتذۂ قدیم و متاخرین کے ناموں کو زندہ کیا۔ زبانِ اُردو میں بیاگرافی کی بنیاد ڈالی اور انشا پردازی کے جنگل میں تذکرہ نویسی اور وقائع نگاری کی ایک سیدھی پٹیا نکالی۔ جس پر اب سینکڑوں اہل قلم چل رہے ہیں اور اپنی ہمت سے اُسے شاہراہ بناتے جاتے ہیں۔ اُس کے حالاتِ زندگی کا ہمیں تھوڑا بہت بھی علم نہو۔ حالانکہ ابھی وہ بفضلِ خدا ہم میں جیتا جاگتا موجود ہے۔ اور اگرچہ سرپرستانِ زبان کی مساعی حسنہ کے اظہار او شعرائے ماضی کے قیام یادگار کی کوشش نے بخوبی مشکور ہو کر اسکے لئے

بقائے نام و شہرت دوام کا سامان کر دیا ہے مگر ہم اپنی طرف سے اسکا شکریہ ادا کرنیکی کوئی صورت نہ نکالیں۔ یورپ میں کئی صدیوں سے خوشحالی و اقبالمندی کا دور چلا آتا ہے اور علوم و فنون کی ہر شاخ میں حد سے زیادہ ترقی ہو رہی ہے۔ اسلئے وہاں ملک و زبان کے محسنوں کی تعداد بھی زیادہ ہے اور ہر زمانہ میں ایک سے ایک بڑھکر اہل کمال پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ مگر اس افراط پر بھی وہاں کے لوگ قدرشناسی و حوصلہ افزائی سے نہیں تھکتے اور دامے۔ درمے قلمے۔ قدمے برابر اپنے شعرا و مصنفین کی خدمت کئے جاتے ہیں۔ اور اگر بعض باکمالوں کے ساتھ اُن کے زمانہ میں قدرے بے اعتنائی برتی گئی ہے تو اسکی تلافی اس گرمجوشی و فراخ حوصلگی سے کر رہے ہیں کہ اُن بزرگوں کی روح بھی وجد کرتی ہوگی مگر وائے بر حال ما ہم اہل ہند و شائقین اُردو کے کہ گو ہماری تعداد بفضل خدا بارہ چودہ کروڑ کے لگ بھگ ہے اور محسنین زبان کی تعداد سینکڑوں تک بھی نہیں پہونچتی مگر ہم اُنکے شکریہ احسان سے نہایت شرمناک طریق پر قاصر ہیں اور ایک طرف حضرت آزاد اپنی دردانگیز حالت سے ابنائے وطن کی بے اعتنائی کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں اور دوسری جانب استادانِ ریختہ کے شکستہ مزار زبانِ حال سے فریاد کر رہے ہیں کہ ؎

تو بکارِ کسے نمی آئی - بکنارِ کسے نمی آئی + بچہ اُمید میتواں مردن - بمزارِ کسے نمی آئی !

میرے نزدیک مکتوبات آزاد کی اشاعت میں دفتر مخزن کی سعی مشکور ہوگی۔ اگر وہ اس عام بے التفاتی کی شکایت کو رفع کر سکے اور اردو والوں کو فرائض خدمت زبان کے احساس پر مائل کرے! وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ +

لاہور - ۱۹ مارچ ۱۹۰۶ء سید جالب دہلوی

نوٹ :- مکتوبات آزاد جنکا سلسلہ مخزن میں اپریل ۱۹۰۶ء سے شروع ہوکر چھ سات مہینے تک برابر دلچسپی سے شروع رہا۔ دراصل میجر سید حسن بلگرامی صاحب بالقابہ کے نام ہیں۔ میجر موصوف نواب عماد الملک مولوی سید حسن بلگرامی کے برادر عزیز اور بلگرام کے مشہور خاندان کے رکن ہیں۔ آپ انڈین میڈیکل سروس کے سند یافتہ ہیں اور دیر تک فوجی ڈاکٹر رہے ہیں۔ ایک زمانہ میں حسن اتفاق سے میجر صاحب بسلسلہ ملازمت امرتسر میں مقیم تھے اور یہ خط و کتابت بھی انہی دنوں کی ہے۔ ہم میجر صاحب کے ممنون ہیں کہ انہوں نے پہلے مخزن میں انہیں شائع کرنیکی اجازت دی۔ ناظرین مخزن نے اس سلسلہ کو بہت دلچسپ پایا بلکہ اصرار کیا کہ ان منتشر تحریروں کو ایک مجموعہ کی صورت میں محفوظ کر دیا جائے چنانچہ مزید دلچسپی بڑھانے کے لئے مولانا آزاد کی تصویر بھی بہت تلاش کے بعد حاصل کی گئی ہے جو ہدیہ ناظرین ہے اور حسن اتفاق سے تصویر بھی قریباً اُس زمانے کی ہاتھ لگی ہے جن دنوں میں اس خط و کتابت کا دلچسپ سلسلہ جاری تھا۔ ہمیں یقین ہے کہ اس مختصر سے تبرک کو ہمارے ناظرین بہت عزیز سمجھینگے +

خاکسار مینیجر

عالی جناب من دام اجلالکم

تسلیم۔ عنایت نامہ باعثِ اعزاز ہوا۔ رات کو دس بجے میں گھر پہنچا۔ اِس وقت خطوط اور کارڈوں کا انبوہ سامنے ہے۔ دل دربار میں ہے اور دو دو حرفوں میں سب کو ٹال رہا ہوں۔ آپ کی تحریر کا جواب فرصت چاہتا ہے۔ سو مجھے کہاں؟ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ماثرالامرا اور سوانح اکبری کسی زمانہ میں دیکھی تھیں۔ یہاں تلاش تھی اور نہیں ملتی تھیں۔ چند مقاموں میں پرانی کتابوں کا پتا لگا تھا۔ ۶ دن

میں بھاگ گیا اور دوڑا دوڑ آیا۔ جو کچھ ہاتھ لگا اُسے دیکھتا گیا۔ اور یادداشتیں لیتا گیا۔ ماثر الامرا بھی مل گئی۔ شکر کا مقام ہے کہ جو کچھ میں نے دانہ دانہ اور قطرہ قطرہ کرکے جمع کیا ہے وہ ماثر الامرا سے بہت زیادہ نکلا۔ پھر بھی حق گذرنا کفر ہے۔ ہر شخص کے حال میں تین تین چار چار نکتے مل گئے اور اچھے مل گئے۔ سب سے زیادہ یہ ہے کہ اب جو دربار اکبری کا مشاہدہ کریگا۔ یہ نہ کہ سکیگا کہ آزاد کو ماثر نہیں ہاتھ آئی۔

دونوں صورتوں کی تفصیل آپ اب پوچھتے ہیں۔ افسوس۔ دیباچہ لکھنے کی نوبت ابھی کہاں آئی۔ خدا وہ دن کرے دو صورتیں یہ کہ ایک تو وُہی معمولی طریقہ کہ ایک نسخہ پہلے ممدوح کو بھیجا۔ اور استمزاج کیا۔ ممدوح نے منظور فرمایا۔ مصنّف نے شکریہ ادا کیا۔ دوسری صورت کا مضمون آئینۂ خیال میں ایک تصویر موہوم ہے۔ اور اس وقت فرصت مفقود۔ اچھا میں خلاصہ خلاصہ قلمبند تو کرتا ہوں۔ دیکھوں کچھ رنگ دیتا ہے یا نہیں۔ اُسکا مضمون یوُں تصوّر فرمائیے۔ کہ جب اس موقع پر آب و رنگ اپنی دستکاری خرچ کر چکے تو عالم بالا کے پاک نہاد زمین پر اُتر آئے۔ دسوں عقلیں پانچوں حواس غور فکر وہم خیال وغیرہ وغیرہ سے انجمن منعقد ہُوئی۔ مانی و بہزاد کی رُوحوں نے اُس کے سامنے ادب سے سر جھکایا۔ پہلا امر یہ پیش ہُوا کہ یہ دربار کہاں سجایا جائے۔ سب نے دُوربینیں

اُٹھائیں اور شش جہت میں نگاہیں دوڑائیں۔ کہیں موقع کی جگہ نظر نہ آئی۔ مگر وُہ ایوانِ عالیشان وغیرہ وغیرہ۔ وہم نے اعتراض کیا۔ کہ جب تک ممدوح سے اجازت نہ حاصل ہو۔ ایسی جسارت زیبا نہیں۔ آزاد نے کہا سحر کا نُور۔ شفق کی سُرخی۔ صبح کا عالم۔ جب نظر آتا ہے۔ اہل دل کہتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ صبا و نسیم پھُولوں کی شمیم لاتی ہیں۔ دل کہتا ہے صلِّ علیٰ۔ اس میں آفتاب سے اجازت اور اس میں خسروِ گلُ سے استمزاج کون کرتا ہے۔ میں نے ایسا ممدوح یہاں پایا۔ اسی کے دامن اقبال سے وابستہ کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسے سب نے تسلیم کیا۔ اب غائبانہ عرض کرتا ہُوں کہ۔ وغیرہ وغیرہ۔

میری دانست میں یہ بھی ایک نیا مضمون ہے اور اس میں کچھ ہرج نہیں۔

۲۶۔ ستمبر سنہ ۱۹۰۶ء
محمد حسین عفی عنہ آزاد
لاہور ستی دروازہ

عالی جنابِ من تسلیم۔ جو کچھ عنایت فرمائی۔ اس کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ مگر اندازِ تحریر کا سبب جب ذہن نشین نہ ہوگا۔ ایک پھانس سینہ میں کھٹکتی رہیگی۔ کام کی کثرت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ جو ہوا۔ خیر انشاء اللہ کبھی موقع ہی سے

یہ عقدہ حل ہوگا۔ آپ نے غضب کیا۔ وہ کٹا پھٹا میرا اعمالنامہ اصل ہی بھیجدیا۔

عورتوں کا تذکرہ جو آپ فرماتے ہیں۔ ایسی کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گذری۔ نہ مجھے ایشیائی مصنفوں سے امید ہے کہ کسی نے لکھی ہو۔ بھوپال سے بھی ایک صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ ان مضامین کا کچھ سامان مجھے دو۔ مگر وہ فقط شاعرہ عورتوں کے باب میں لکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس وقت میں نے مجملاً اتے پتے لکھ بھیجے۔ اب جو میں خیال کرتا ہوں تو البتہ یہ ممکن ہے۔ کہ ان عورتوں کے ناموں کو بہ تکلّف پھیلا یا جائے۔ کہ جن سے کئی کئی شعر تذکروں میں مذکور ہیں۔ لیکن اصل مقصود آپ کا یہ ہے کہ ایسی عورتوں کے حالات ہوں۔ جو صاحبِ علم کے ساتھ صاحبِ تصنیف ہوں یہ بات نہایت مشکل معلوم ہوتی ہے۔ فقط ایک گلبدن بیگم ہمایوں کی بہن تھی۔ کہ اُس نے ہمایوں نامہ لکھا تھا۔ وہ نسخہ بھی اب میرے پاس نہیں۔ دلّی میں بڑی کوشش سے بہم پہنچا یا تھا۔ اس کے پہلے ورق پر چند عورتوں کے حال اور بھی کسی نے لکھ دئے تھے۔ وہ بھی شاعرانہ طور سے اور شاعری کے سلسلہ میں تھے۔

سلیمہ سلطان بیگم ہمایوں کی پھپھی زاد بہن تھی۔ وہ نہایت حالی فہم

ذکی الطبع۔ خوش تقریر۔ صاحبِ تدبیر۔ لطیفہ گو۔ بذلہ سنج تھی۔ اور اکثر شاہ اور شاہزادوں میں جو معاملات الجھا کرتے تھے وہ سلجھایا کرتی تھی۔ لیکن اس سے جہاں دیکھا۔ ایک ہی شعر لکھا دیکھا۔ مخفی تخلص کرتی تھی۔ اور کتاب کا شوق رکھتی تھی۔

زیب النسا کا حال سب جانتے ہیں۔ خیر چند بیبیاں اور سہی مگر انہیں صاحبِ علم اور صاحبِ تصنیف کیونکر کہ سکتے ہیں۔ جیسا کہ میرا اور آپ کا جی چاہتا ہے۔ پھر بھی خیال رکھوں گا۔ اور جو سرمایہ بہم پہنچے گا۔ اس سے آپ کو مطلع کرونگا۔

آزاد۔
۲۸۔ ستمبر ۱۸۸۲ء

ہاں وہ شعر سلیم سلطان بیگم کا بھی یاد آگیا۔ آپ کے بھی خیال میں رہے۔

کاکلت را من بمستی رشتہ جاں گفتہ ام ‌‌ ‌ مست بودم زیں سبب حرفِ پریشاں گفتہ ام

جنابِ من۔ دام مجدکم العالی۔ میں تو پہلے ہی ادائے شکریہ میں قاصر تھا۔ اب تو شکریہ مجذور ہو گیا۔ اس پر حسنِ قبول تو سبحان اللہ۔ وہ نعمت ہے کہ اس کا صلہ آپ کے جد کی بارگاہ سے عطا ہو۔

آبِ حیات کے باب میں جو کچھ فرمایا ہے۔ فقط قدر افزائی ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔ آپ کے عنایت نامے اور آپ کے بھائی صاحب

کے مرحمت نامے کے مضامین تقریباً متحد تھے اس لئے دو دو جگہ لکھنا فضول سمجھ کر اُن کے لئے کہتا ہوں اور آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔ آپ ملاحظہ فرماکر اُدھر بھیجدیجئے گا۔ جو کچھ حال سنا میں نے صاف صاف لکھدیا ہے۔

آزاد   از لاہور

۱۵ اکتوبر ۱۸۸۲ء

عالی جناب من ادام اللہ اقبالکم وضاعف اجلالکم   ۲ جنوری ۱۸۸۳ء یوم چہارشنبہ

تسلیم۔ خدا آپ کو خوش رکھے کہ مجھ گنہگار کے لئے دعا فرماتے ہیں۔ کیا کہوں! دس دن کی چھٹی ہوئی تھی۔ باتیں کرنے کو بہت جی چاہتا تھا۔ چاہا کہ حاضر خدمت ہوں۔ پھر کہا کہ چار سطریں ہی صاف ہونگی۔ اکٹھی ہی باتیں کرلینگے۔

کتاب العنوان انگریزی کا حال جو تحریر فرمایا ہے۔ میں سمجھ گیا۔ خدا اس دربار سے فارغ کردے تو آپ سے سرخرو ہوں۔ مجھے دل سے خیال ہے۔ آپ کیوں شرمندہ کرتے ہیں۔

محمد حسین آزاد

دربار اکبری کاتب سے بھی لکھواتا ہوں۔ آپ بھی لکھ رہا ہوں خدا کرے کچھ ہو جائے۔ اب خدا کے فضل سے کئی حال آپ کے سامنے

کے قابل ہو گئے ہیں۔ فیضی کے حال پر نظر ثانی کی تو مذہب کے سلسلہ میں مجھے خیال آیا تھا کہ دیکھئے آپ اور آپ کے بھائی صاحب اسے سنکر اور پڑھ کر کیا فرماتے ہیں۔ خدا وہ وقت دکھائے۔

وصل اُس کا خدا نصیب کرے
میر جی چاہتا ہے کیا کیا کچھ

آزاد۔ تاریخ صدر

جناب من!

تسلیم۔ آج مجھے ایک ایسا معاملہ پیش آیا جو آج تک نہیں ہُوا تھا۔ وہی مشکی گھوڑا جس کا کئی دفعہ آپ سے ذِکر آیا تھا۔ سائیں لیکر بھاگ گیا۔ وہ ۱۱ بجے دِن کے یہاں سے گیا ہے۔ اِس لئے بدھ کو کسی وقت امرت سر میں ضرور پہنچیگا۔ آپ اسی وقت پیش خدمت کو فرمائیں۔ کہ سرائوں اور یکے خانوں میں جا کر ایک نظر ڈالے۔ یہ گھوڑا یارقندی یابو ہے اور یک رنگ مشکی رنگ ہے پیشانی اور ناک کے ۵۔۷ بال سفید بھی نظر آئیں گے۔ عمر میں ۸۔۹۔ ۱۰ برس کا ہوگا۔ لاغر اندام ہے۔ سائیس کا امام دین نام ہے۔ اُس کا بھی مشکی ہی رنگ ہے۔ ۳۵۔۳۶ برس کی عمر ہو گی۔ اوسط قد لاغر اندام

سر پہ بال چھینٹ کا کن ٹوپ متوسط داڑھی چڑھواں کانوں سے بھرا ہے۔ علاقہ کپور تھلہ کا رہنے والا ہے +

کوتوالی لاہور سے بھی آدمی اِدھر اُدھر دوڑ رہے ہیں لیکن شائد وہ دیر میں پہنچیں۔ میں کارِ تحریر کے سبب سے حاضر نہیں ہو سکا ورنہ خود آتا۔ حاضری بھی دیتا اور یہ کام بھی ہو جاتا +

اُس دن آپ کا تشریف لاتا اور میرا ملاقات سے محروم رہنا۔ اب تک دل کو خراش دے رہا ہے بہت سی باتیں تھیں کہ ضرور کہنے کے قابل تھیں۔ خصوصاً بعض مشورے مسوّدات کتاب کے باب میں۔ پروردگار پھر بخیر وسلامت ملنا نصیب کرے +

نامہ خسروان یقین ہے کہ بعد ملاحظہ آپ نے روانہ کر دیا ہوگا اس کے باب میں جو آپ کے خیالات ہوں کچھ کچھ ضرور تحریر فرمائیے ایسی تصویریں کہاں بن سکیں۔ یہ تو دو کٹر کا کام ہے۔ شاید کارپلیٹ ہو۔

تذکرۃ العورات کا حال جو آپ نے پہلے مرحمت نامہ میں لکھا تھا۔ معلوم نہیں کہ اس میں چاند بی بی کا بھی تذکرہ ہے یا نہیں یہ بھی بڑی بالیاقت اور صاحب ہمت بی بی دکن میں ہوئی ہے۔ اسے نادرۃ الزمانی کہتے تھے۔ آپ وہاں سے اس کے حالات دریافت فرمائیں۔ اور مجھے بھی عنایت کریں۔ انشاءاللہ کبھی کام آئینگے۔ اسیطرح

مصالح اکٹھا ہوا کرتا ہے - رفتہ رفتہ عمارت تیار ہو جاتی ہے +

.... محمد حسین - آزاد

لاہور - بنگلہ ایوب شاہ - ۱۱ جنوری ۱۸۸۳ء

جنابِ من -

ایک امر واجب الاطلاع پیش آیا ہے - ذرا متوجہ ہو کر سُنئے -
آپ نے اخباروں میں دیکھا ہوگا کہ گورنمنٹ سررشتۂ تعلیم کے بوجھ سے سبکدوش ہوتا چاہتی ہے آپ نے یہ بھی سنا ہوگا کہ سررشتۂ تعلیم پنجاب کا بہت سا بوجھ یونیورسٹی پنجاب اپنے سر پر رکھتی ہے۔ گورنمنٹ کو اس سے زیادہ اور کیا چاہئے - اب معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ کالج بھی یونیورسٹی کے حوالہ ہو جائے گا - یونیورسٹی کی یہ رائے ہے کہ علوم فنون ریاضی وغیرہ سب کی تعلیم ترجموں کے ذریعہ ہو جایا کریگی - فقط انگریزی کے لئے ایک ماسٹر اڑھائی سو روپے کا کافی ہے - سر دست اس قدر تو نہ ہوگا - مگر اتنا ضرور ہوگا کہ یونیورسٹی کے پاس کئی مسجدوں کے مُلّا نے اور ہند و پنڈت نکمے بیٹھے ہیں - طلبائے کالج کو یہ دیسی زبانیں پڑھا لیا کرینگے - کالج کے مولوی و پنڈت دونو تخفیف - تب مولوی کا کیا حال؟ یا گورنمنٹ کوئی عہدہ

دیگی۔ اکسٹرا اسسٹنٹی؟ مشکل ہے۔ منصفی؟ تحصیلداری؟ شائد۔ پنشن دیدیگی۔ اس میں ابھی دو برس کی کمی ہے۔ مگر ہو سکتی ہے۔ خیر ہو بھی تو ۵۰ روپے سے زیادہ نہیں۔ آسان اور عام قاعدہ یہ ہے کہ مسلسل نوکری ۱۳ برس کی ہے۔ اتنے مہینے کی تنخواہ لو اور سلام۔ اس تجویز کا عملدرآمد اپریل سے ہو جائے گا۔ اب خدا کی درگاہ سے امید ہے کہ تصنیفات کے لئے فرصت کا موقع ملا کرے گا۔ ع

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسباب جہاں

آنچہ ما در کار داریم اکثرش درکار نیست

آزاد ۱۸ جنوری سنہ ۸۳ء
۳ بجے شب

جناب من۔

تسلیم۔ آپ دیکھتے ہیں۔ یہ علم کی چڑیل (یونیورسٹی پنجاب) تعلیم پنجاب کو ہضم کئے جاتی ہے۔ کالج کا بھی کلیجہ کھا چکی ہے۔ چند مہینے میں سن لیجئیگا۔ کہ نگل گئی۔ باوجود اس کے کورس بنانے کے لئے ہم پکڑے جاتے ہیں۔ فرسٹ آرٹ۔ اور بی۔ اے کورس عربی و فارسی کے باب میں رائے طلب ہوئی۔ اب بنانے کے لئے حکم ہے کہ جلدی دو۔ قاآنی کا دیوان آپ کے پیش نظر ہے۔ عنایت فرما کر

اس میں چند عمدہ قصیدے بتائے۔ ہر قصیدہ کا مطلع یا پہلا مصرع لکھدینا کافی ہوگا۔ صفحہ شاید مطابق نہ ہوگا۔ کیونکہ کتب خانہ میں چھاپہ ایران کا نسخہ ہے +

خدا ہمارے بھائی ہندؤں کو عقل مآل اندیش اور چشم دوربین اور نیک نیت عطا فرمائے +

اگرچہ کورس کا جھگڑا پیچھے لگ گیا ہے۔ مگر بہن مصروفِ کار ہوں مشکل یہ ہے کہ طبیعت محنت پسند واقع ہوئی ہے۔ انتخاب میں آسان بات یہ ہے کہ کتاب اُٹھائی۔ لکھدیا کہ فلان صفحہ سے فلان صفحہ تک۔ مگر اسے دل نہیں پسند کرتا۔ جی چاہتا ہے۔ ایسا انتخاب ہو کہ طلباء کے لئے مفید تعلیم بھی ہو اور پڑھنا اس کا ہر شخص کے لئے باعثِ شگفتگی ہو۔ البتہ اس میں محنت بہت ہے۔ بس اس وقت اتنا ہی کافی ہے۔

۳۔ فروری ۸۳ء منتظر جواب۔ بندہ آزاد

کالج کے باب میں ابھی کچھ فیصلہ نہیں ہوا۔ میرا فیصلہ بھی اسی پر منحصر ہے۔ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سرکار مجھے کوئی نہ کوئی عہدہ دیگی خواہ سررشتۂ تعلیم میں خواہ سول لائن میں اخیر درجہ پنشن کا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جس گھر میں ۱۵۰ روپے مہینہ آتا ہے اس میں ۵۰ روپے آئینگے

تو صورتِ حال کیا ہوگی - لیکن دل کی آزادی یہی کہتی ہے کہ قناعت کو رفاقت میں لو۔ تھوڑا کھاؤ اور اپنی کتابوں کو پورا کرو خدا کریم کارساز ہے وہ دینا چاہیگا تو اس کے ہزاروں ہاتھ ہیں۔ عہدہ کے لئے کوشش نہ کرو۔ آپ کی کیا رائے ہے +

پہلے بھی میرے کئی نامے خدمت میں پہنچ چکے ہیں - تعجب ہے کہ آپ نے ایک کا جواب نہیں دیا۔ مزاج خدا کرے اچھا ہو +

تحریر صدر

عالی جناب من

تسلیم - مرحمت نامہ - نے شرفِ اعزاز بخشا۔ طبیعت کا حال آپ نے بالکل نہ لکھا۔ بہر حال شکار کا شغل بہت خوب ہے۔ میری عقل ناقص میں مزاج پر حرارت غالب ہے جنگل کی ہوا اس کے لئے بہت مفید ہے - صبح کی ہواخوری - کان اور منہ بند کر کے مسلسل جاری رکھئے - اور ہرگز اس امر سے غافل نہ رہیئے ......

میرے باب میں جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ دل کو نہائت تشفی اور استقلال حاصل ہوا - اپنے جد کے خانہ زادوں کی دستگیری آپ صاحب نہ فرمائیں تو اور کون ہے - پروردگار - عالم اس خاندان کو

اقتدار روز افزوں عطا فرمائے - میں نے اپنے دل سے یہ قرار دے لیا ہے
اگر اکسٹرا اسسٹنٹی دی تو اختیار کرلونگا - ورنہ پنشن لونگا - تھوڑے پر
قناعت کروں گا - اپنی کتابوں کو پوری کوشش سے تیار کرکے پیشکش
کرتا جاؤں گا اور دعائے دولت میں مصروف رہونگا - ہاں جو خدمت
فرمائینگے وہ بھی بجالاؤنگا - کالج کا تغیر نہیں بھی ہوتا - تو یہ سمجھ
لیجئے کہ میں تو اب آپ صاحبوں کا ہو چکا ہوں +

تم سنو یا نہ سنو نالہ کئے جاؤں گا	دردِ دل کہنے سے مطلب ہے اثر ہو کہ نہ ہو
حشر پر وعدہ دیدار ہے - نہیں ڈرتا ہوں	بھیڑ ہووے گی رخ یار ادھر ہو کہ نہ ہو

میں آجکل عجب مخمصے میں پڑ گیا ...... ادھر مجھے کورس وغیرہ کا مرض
لگ گیا - ادھر کالج کا تردد - کہ دفعتہ معلوم ہوا - آب حیات اور نیرنگِ
خیال امتحان یونیورسٹی میں داخل ہو گئی ہیں - اور امتحان آغازِ
مئی پر ہوگا - سب نے کہا کہ دونوں کو ضرور چھپوانا چاہیے - ۳-۴-
سو طالب علم دفعتہ طلبگار ہوگا - مجھے بھی طمع نے للچایا اور فوراً شروع
کردیا - اگر نہائیت کوشش ہوا ور کارگر بھی ہو اور کئی چھاپہ خانوں
سے کام لیا جائے - تو دو مہینے چاہئیں - خیر - اب تو پھنس گیا - دو
دو ہزار چھپوانے شروع کئے ہیں مشکل یہ ہے کہ تنہا ہوں - رفیق کوئی
نہیں - استغفر اللہ - یہ کیا کفر ہے - مولیٰ موجود ہے +

۱۰- فروری ۱۸۸۳ء آزاد

عالی جناب من تسلیم عظیم اللہ اجرنا بمصائبنا ۵ من درچہ خیالیم فلک درچہ خیال * کاریکہ خدا کند فلک راچہ مجال * ہائے افسوس[۱]- صد ہزار افسوس - آسمان ٹوٹ پڑا - زمین تہ وبالا ہوگئی - خدا جانے کیا ہُوا اور کیونکر مر گئے - اچھا - اب کیا ہوسکتا ہے - یا اللہ یا ارحم الرحمین - رحم کر بحقِ محمدؐ و آل محمدؐ - اوّل اُن کے لئے رحمت و مغفرت کی دُعا کرنی چاہیئے - بعد اس کے یہ سوچنا چاہیئے - کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے - گورنمنٹ کو سب اہلِ عمل ایک موریل لکھیں - کہ آپ جس طرح کل ممالک ہندوستان کے مالک ہیں - اسی طرح اس قطعۂ مختصر کے بھی مالک ہیں - آپ پر یہ واضح ہے - کہ مرحوم جنّت مکانی نے اس ریاست کا انتظام کیا کر رکھا تھا - اور کن کن اصول پر رکھا تھا - اور یہ بھی واضح ہے کہ وہ کیسا تھا - پس ایک کل یا ایک گھڑی جبکہ اپنے پرزوں کے ساتھ چل رہی ہے تو کچھ ضرورت نہیں ہے - کہ اس میں تغیّر و تبدّل کیا جائے - اس لئے واجب ہے کہ اس انتظام کی حفاظت کرے *

---

[۱] سر سالار جنگ کے انتقال پر یہ کلمات لکھے گئے ہیں ۱۲ *

(۲) گورنمنٹ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس انتظام کے کیسے کیسے مخالف پہلو ہیں موجود ہیں۔ اس سے بھی اس انتظام کو بچاسے کہ خلل انداز نہ ہوں +

(۳) سرکار عالی کی ناتجربہ کاری اور عدم واقفیت کا حال ظاہر ہے۔ جس طرح اس مرحوم مغفور نے اُنہیں اپنی حفاظت تربیت میں رکھا تھا کچھ عرصہ تک اسی طرح گورنمنٹ رکھے۔ اور صاحب رزیڈنٹ اسی طرح نگراں حال رہیں +

(۴) بہت سے مافی الضمیر اور تجویزیں اُن کی تھیں کہ ظاہر نہ تھیں یا ابھی ارادے ہیں تھیں۔ وہ اُن کے خاص خاص ماتحتوں کے سینوں میں مخزون ہیں۔ ان لوگوں کو صاحب رزیڈنٹ اپنے ہاتھ پانوں سمجھیں۔ اور انکی صلاح سے کام کریں +

میں نے اسی وقت اخبار میں یہ حال دیکھا ہے۔ عقل ٹھکانے نہیں۔ حواس پریشان ہیں۔ ہاتھ لکھنے کے قابل نہیں۔ مگر لکھے بغیر رہ نہیں سکا۔ اس لئے چند حروف نامربوط لکھ کر لفافہ میں بھر دئے ہیں۔ آگے سوا افسوس کے کیا لکھوں۔ جی چاہتا ہے کہ خود حاضر خدمت ہوں اور دل کی بھڑاس نکالوں۔ مگر پھر کہتا ہوں کہ حاصل کیا۔ اس لئے وقت پر منحصر رکھا۔ اگر قسمت ملک یاور ہوئی۔ تو عجب نہیں کہ

مولوی سید حسین صاحب کو اس وقت میں گورنمنٹ بہت عزیز سمجھے۔
کیونکہ زیادہ تر یہی اُن کی تدبیروں اور تجویزوں اور اراووں کا خزانہ تھے
جو کچھ ان کو معلوم ہے ۔ شاید کسی کو معلوم ہو۔ان میں بڑا وصف یہ
ہے ۔کہ سولائزڈ ہیں اور گورنمنٹ کے مقاصد کو اغراض ملک کے
ساتھ ترکیب دیکر اس طرح کام کر سکتے ہیں کہ دونو نقصان یا ہرج
سے محفوظ رہیں اور ایک دوسرے کے فوائد اور منافع اور آسائش
و آرام سے متمتع ہوں ۔خدا اپنے بندوں پر رحم کرے +

آزاد

از لاہور ۔ ۱۱ ۔ فروری ۱۸۸۳ء

جناب من ۔تسلیم ۔گھوڑے کے باب میں جو عنایت فرمائی۔
اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔میں نے سب طرف کو خط لکھدئے ہیں۔
اسی ضمن میں آپ کو بھی تکلیف دی تھی ۔معاف فرمائیگا۔غلطی مجھ
سے ہوئی کہ پسند پر منحصر رکھا ۔ ورنہ للعہ کا معاملہ تھا ۔ ریل میں ڈالدیتا
وہاں پہنچ جاتا ۔ بے شک میں سزا کا مستوجب تھا ؎

سزا تو دل کی تھی قابل بہت سی مار کھانیکی تیری زلفوں نے مشکیں باندھ کر مارا تو کیا مارا

سائیس کپور تھلہ کا رہنے والا تھا + وہاں بھی تحریر دوڑا دی ہے ۔خیر یہ
جھگڑے تو یوں ہی چلے جاتے ہیں ۔ اگر قسمت کا ہے تو انشاء اللہ

آجائے گا +

سرِ مدا گرش و فا ست خود مے آید گر آمدنش روا ست خود مے آید
بیہودہ چہ او ر پئے اُو می گردی بنشیں اگر او خدا ست خود می آید

میرا حال یہ ہے کہ آج کل اس قدر مصروف ہوں کہ اس سے زیادہ ہو نہیں سکتا۔ میں آپے سے باہر ہو گیا ہوں۔ اور ضعف نے نکما کر دیا +

آزاد۔ ۱۶ جنوری ۱۸۹۳ء

تسلیم۔ آپ کو یاد نہیں میں نے کیا عرض کیا تھا۔ یعنی اُس دن میں کالج میں جا کر بیٹھا ہی تھا۔ کہ دو طالبعلموں نے آکر اس حادثۂ ناگہانی کی خبر دی۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آے۔ اور دل پر صدمہ ہوا۔ وہ متحیّر ہو کر مجھے دیکھنے لگے۔ اور اس معاملہ میں تقریریں معمولی کرنے لگے۔ میں نے کہا کہ ان باتوں سے کچھ حاصل نہیں۔ اس وقت ہمیں دو باتوں کا فکر کرنا چاہیئے۔ ایک یہ کہ اُن کے محامد و اوصاف اس طرح بیان کرنے چاہئیں جس سے پبلک اور گورنمنٹ کے دل پر اُن کے حقوق کی یاد کے نقوش تازہ ہوں۔ دوسرے

یہ کہ اُن کے لڑکوں کے ساتھ حقوق مذکورہ مدنظر رہیں۔ دونو باتوں کے ضمن میں کوئی ایسی بات بھی جس سے اُن کا نام روشن ہوکر قایم رہے۔ اور مرثیہ خوانی اور تاریخیں لکھنی جو کہ شیوۂ قدیم ایشیا کا ہے یہ تو مجھے پسند نہیں۔ اب اس کا زمانہ گذر گیا۔ اُنھوں نے کہا۔ پھر یہ کیونکر ہو۔ میں نے کہا مجھ سے کچھ نہیں ہوسکتا نہ میں کسی قابل ہوں۔ اتنا ہے کہ دربارِ اکبری درست کر رہا ہوں۔ یہ ان کے نام پر کروں گا۔ دونوں خوش ہوگئے۔ اور کہا کہ ضرور کیجئے۔ یہ عمارت عظیم الشان اُن کے نام پر یادگار ہوگی جو کبھی منہدم نہ ہوگی۔ میں نے کہا بلکہ دو تین اور بھی ٭

اب آپ کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ دربار مذکور کو اگرچہ طبع نیرنگ خیال اور آبِ حیات کے سبب سے آج کل ملتوی کر دیا ہے۔ مگر تمام مسوّدے پہلو میں دھرے ہیں۔ یہ چھپائی چھ مہینے کا کام تھا جسے میں نے ڈیڑھ مہینے میں کیا۔ انشاء اللہ ۲۵ دن حد ایک مہینے کا کام اور ہے۔ اس سے فارغ ہوں تو پھر اسے سنبھالتا ہوں۔ خدا و مولیٰ اسد اللہ الغالب سرانجام کو حدِ انجام پر پہنچا دینے والے ہیں۔ مگر مشورت طلب یہ نکتہ ہے کہ آیا وہی ڈڈیکیشن کا مقرری تھا کہ رنگ بھر کر سجا دوں۔ یا اُسے

موقوف رکھ کر یہ لکھوں کہ ایسے شخص کے حادثہ جانکاہ پر عالم نے
نالہ وزاری کے معمولی حق ادا کئے ۔ اور یادگار کے لئے تاریخیں
اور نظمیں لکھیں۔ فقیر آزاد سے اور کچھ نہ ہو سکا۔ یہ کتاب اُن کے
نام پر لکھتا ہے کہ اندلوزن زیر قلم تھی ۔ ع چہ کند بے نواہمیں وارد۔
مزا تو اس کا جب تھا کہ خود لیکر جاتا اور بعض مقامات اس
کے اپنی زبان سے اُن کے سامنے پڑھتا۔ اور دیکھتا کہ کس کس
مقام پر وہ کیا فرماتے۔ ہائے سر سالار جنگ سارے ارمان
دل کے دل میں رہے۔ ہائے سر سالار جنگ +

مولے اسد اللہ الغالب حاضر و ناظر ہیں کہ پھر آنسو آنکھوں
میں بھر آئے ۔ آپ سے کیا اپنا حال کہوں ۔ میرا دل کچھ اور دل ہے۔
بہر حال آپ مطمئن رہیں ۔ انشاء اللہ جلد ختم کرتا ہوں۔ کلکتہ
تک سے بمبئی مدراس تک سے برابر درخواستیں آرہی ہیں اور گھر
میں کچھ بھی نہیں +

پرسوں اتوار کو یہاں ایک بڑا جلسہ تھا ۔ لاہور و امرت سر
کے دولت پرست جمع ہوئے تھے کہ کپڑے کی کل پنجاب میں
جاری ہو۔ وہاں کوئی بولا کہ آزاد کہاں ہے اُسے بھی تو پوچھو۔
وہیں سے کوئی بولا کہ اُس نے کمیٹیوں کو بالکل استعفا دیدیا ہے۔ وہ تو

اب تصنیفات میں غرق رہتا ہے۔ کسی نے یہ بھی کہا کہ آج کل وہ دربار اکبری لکھ رہا ہے مگر اکیلا ہے۔ کوئی رفیق اور مددگار نہیں۔ کئی شخصوں نے کہا کہ پھر وہ کس طرح کی مدد چاہتا ہے۔ جو ہم سے ہو سکتی ہے ہم بھی کریں۔ میں درماندہ تائید و تدبیر کیا کہوں۔ کہ میرا کام سوا خدا و مولٰی کے مدد پذیر نہیں۔ یا علی مدد۔ ۴ بجے ہیں۔ صبح قریب ہے۔ وقت تو قبول کا ہے اگر سائل کی آواز حضور تک پہنچ جائے۔

فقیر آزاد
۲۰۔ مارچ ۔ ۸۳ء
ساعت ۴ ۔ قریب صبح

عجب تماشا ہے۔ آفرینش کا ضمیر تو یہ اور تصنیفات کے مضامین دیکھ کر ...... مجھے نیچری کہتے ہیں۔ ہاں ہاں نیچری ہوں۔ مگر علی کا نیچری ہوں

من نمی گویم و لیکن از تو چیزے دیدہ ام ٭ آنکہ می گوید خدا ایست یا امیر المومنین

جنابِ من۔ ۸۔ اپریل ۸۳ء

تسلیم۔ عجب ہجوم محنت میں مبتلا ہوں۔ الحمد للہ کہ ۱۰-۱۲ دن کا کام رہ گیا ہے اور یہ سخت تر دقت ہے۔ سوا مہینے سے میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوں۔ میری حالت ایسی ہو گئی ہے کہ ہر شخص

پوچھتا ہے کہ تم کچھ بیمار تھے۔ نعوذ باللہ۔ غالباً میں نے آپکو نہیں
لکھا۔ ایک مہینے سے زیادہ ہؤا کہ جموں سے ایک دوست کا
خط آیا۔ اس میں لکھا تھا۔ مہاراجہ صاحب ایک تاریخ کی کتاب
لکھوانا چاہتے ہیں جس میں عام سلاطین کے حالات ہوں مگر
زور اس بات پر ہو کہ سلطنت اس خاندان میں کیونکر اور کن کن
اسباب سے آئی اور گئی تو کن کن سببوں سے گئی مثلاً بادشاہ کی
بے پروائی یا عیاشی یا بدنیتی وغیرہ سے یا ارکانِ دولت کی بے
لیاقتی یا نمکحرامی سے۔ مجھے لکھا تھا کہ تم اس کام کا ذمہ لو اور لکھو
کہ کیا تنخواہ لوگے۔ میں نے عدیم الفرصتی کا عذر کر کے ٹال دیا
۸۔۱۰ دن ہوئے کہ وہ خود آئے اور کہا کہ ان کی نوکری اختیار
کرو تو کیا تنخواہ لوگے۔ اور اس میں اصرار کیا۔ میں نے صاف
جواب دیدیا اور انکار کیا۔ غالباً آپ کے نزدیک بھی نامناسب
نہ ہوگا۔ میری اپنی کتابیں ناتمام پڑی ہیں کہ لوگوں کی آنکھیں
اور میری جان انہیں میں لگی ہے۔ میں کسی کی کتاب لکھوں۔
طمع کا منہہ کالا ہے آپ نے اخباروں میں دیکھا ہوگا کہ ڈسٹرکٹ
مدارس سررشتۂ تعلیم سے الگ ہو کر انتظام جدید میں آگئے۔ کالج کا
بھی ایسا ہی حال ہوگا۔ کالج کا مولوی اور پنڈت ضرور تخفیف میں آئیگا

کیونکہ یونیورسٹی پنجاب میں مولوی اور پنڈتوں کی کیا کمی ہے۔ اچھا مجھے پنشن بھی دے دینگے تو قناعت کروں گا اور تصنیفات کو پورا کرونگا اپنے لخت جگر بچوں کو نیمجاں تڑپتا نہ چھوڑوں گا۔ چھپائی کا کام ۱۰ ۱۲ دن سے زیادہ نہیں رہا۔ آب حیات نے مجھے ہلاک کر دیا مجھ سے بیوقوفی ہوئی ہے۔ ۱۰ مہینے کا کام تھا جو ڈیڑھ مہینے میں کیا ہے اللہ آسان کرے۔ جناب مخدوم و مکرّم اپنے بھائی صاحب کو تسلیم کہئے گا اور یہ بھی کہئے گا کہ کوہ نور دیکھتے ہیں یا نہیں۔ بہتر ہے کہ ضرور دیکھا کریں تاکہ حال تو معلوم رہے

آزاد

عالی جناب من۔

تسلیم۔ کئی دن سے کہ رہا تھا کہ لکھوں اور لکھوں اور آج ضرور لکھونگا کہ مرحمت نامہ آن ہی پہنچا۔ خدا آپ صاحبان کو یہ دولت واقبال و ترقیات روز افزوں سلامت رکھے۔ کہ مجھ جیسے نالائق کو کس طرح یاد رکھتے ہیں۔ میرا حال یہ ہے کہ تقریباً ۸ دن ہوئے ہونگے۔ آب حیات اور نیرنگ خیال سے چھٹکارا ہوا۔ مگر اس سال یونیورسٹی مجھ پر مہربان ہوئی۔ زبانِ اردو میں طلباء داخلہ کا ممتحن مقرر کیا۔ اور زبانی میں اردو

اور فارسی کا۔ اور ایک حصہ عربی کا۔ ان کے سوالات بنانے
ایسا وقت نہیں لیتے۔ مگر کاغذات جو نمبر لگانے کو آئے
ہیں وہ چھاتی پر پہاڑ ہیں۔ ۶۱۸ کاغذ ہے۔ اور آج سے
۱۰ دن کی مہلت باقی ہے۔ خدا اس بلا سے جلد مخلصی دے
یہ درست ہے کہ اس میں تقریباً ڈیڑھ سو روپئے کا فائدہ
مجھے ہو جائیگا یا شائد کچھ زیادہ ہو۔ مگر خدا گواہ ہے کہ
میں اس پر خاک ڈالتا۔ منظور فقط اس لئے کیا کہ اس دفعہ
کالج کا معاملہ نازک ہو رہا ہے۔ رجسٹرار ناراض ہو جائیگا۔
تو لوگ مجھے احمق بنائینگے اور کہینگے کہ ڈاکٹر لائٹنر تو باسباب
خاص ناراض ہو گئے اور ان کی ناراضی بے شک تدارک
پذیر نہ تھی۔ انہیں تو نے کیا سمجھ کر ناراض کر دیا۔ اس سبب
سے یہ بوجھ سر پر لیا۔ ورنہ آپ یقین فرمائے کہ آزاد روپیہ
کا لالچی نہیں۔ ڈاکٹر لائٹنر صاحب نے کئی دفعہ ممتحن کیا اور میں
نے صاف انکار کر دیا +

اب بات فقط اتنی ہے کہ ایک منشی بھی میں نے رکھ لیا
ہے۔ وہ میرے ساتھ کام کر رہا ہے۔ انشاء اللہ ۱۰ دن میں
اس کام کو ختم کر دونگا۔ پھر دربار اکبری ہے۔ اور میں ہوں۔

مولے اللہ الغالب مظہر العجائب کا فضل شامل حال چاہیے۔
آپ دیکھینگے کہ تیسرے ہفتہ میں کچھ نہ کچھ لیکر حاضر خدمت
ہونگا۔ آپ انہیں پھر لکھ دیجیگا کہ آپ سمجھ لیں میری کل
تصنیفات مرحوم مغفور کی ہو چکیں۔ خدا گواہ ہے مجھے اُن
سے غائبانہ عشق تھا۔ پہلے لکھتا تو خوشامد تھی۔ اب تو خاص
اُن کے اور میرے درمیان میں معاملہ ہے۔ دیکھئے آج لوح
روحانی پر اُن کا خیال کرونگا۔ یہ میں جانتا ہوں کہ اس کی باتیں
قابل یقین ہرگز نہیں۔ لیکن اسے میں نے ایک بھلاوا اپنے
دل کا کر رکھا ہے۔ رات کو ایک بجے دو بجے بیٹھ کر باتیں
کیا کرتا ہوں۔ اور یہ یقین آپ کریں کہ یہ ابنائے زمان اخوان
الشیاطین جو زندہ ہیں اُن سے تو اُس کی باتیں بہر حال
بہتر ہیں ؎

بسکہ از برخورد عالم عکس مطلب دیدہ ام + میرمم از آب از آئینہ پنہاں میشوم

آپ نے تصویروں کا کچھ بندوبست نہ فرمایا۔ مجھے اکبر کی
ایک تصویر ہاتھ آئی کہ ۳ - ۴ ترک عورتیں بیٹھی ہیں اور وہ دو
تین برس کا بچہ بیچ میں کھیلتا پھرتا ہے۔ رات کا وقت
ہے۔ شمع روشن ہے جھنجھنے وغیرہ سامنے پڑے ہیں۔ یہ اکبر

کے ابتدائی حالات میں لگانی واجب ہے +

ایک ایسی ہی پرانی تصویر اور ملا دو پیازہ کی ہاتھ آئی۔ بیربل کے ساتھ اسے بھی لگانا واجب ہے۔ اگرچہ کتاب سے ملا دو پیازہ کی اصل نہیں معلوم ہوئی۔ مگر مسخروں اور بھانڈوں نے اس کا شملہ دستار بیربل کی دُم میں مضبوط باندھا ہے +

راجہ مان سنگھ کی تصویر بھی سند ہی ہے۔ سرکار الور سے منگائی ہے۔ بہت سمع خراشی کی۔ اب انشاء اللہ پھر +

محمد حسین۔ آزاد
۱۸۔ مئی ۸۳ء

جناب من۔

تسلیم۔ ۱۲ دن کا عرصہ ہوا کہ ایک نسخہ آب حیات طبع جدید بذریعہ عریضہ نیاز ارسال خدمت کیا ہے۔ تعجب ہے کہ اب تک رسید اسکی نہیں پہنچی + کتاب مذکور میں اگرچہ جا بجا بہت مطالب زیادہ کئے ہیں۔ مگر میر انیس مرحوم کے خاندان کا حال اور مرزا دبیر مرحوم کا حال آپ سے داد طلب ہے اب کی دفعہ فہرست بھی بہ نسبت طبع اوّل کے مفصل تر لکھی ہے اسے ملاحظہ فرمایئے گا +

اگر فرمائیے تو ایک نسخہ آپ کے بھائی صاحب قبلہ کی خدمت میں بھی بھیجدوں مگر انہیں ایسے ہزلیات کے دیکھنے کی فرصت کہاں ہوتی ہوگی پھر یہ بھی فرمائیے۔ کہ ایک نسخہ سیّد لائق علیخاں کی خدمت میں بھیجوں۔ یا کچھ ضرورت نہیں۔ اور انہیں بھیجوں تو پھر جناب عالی کے لئے کیا رائے ہے +

دربار اکبری کو لپیٹ رہا ہوں۔ مگر وہی دن جم کر بیٹھا تھا کہ آنکھوں نے رنگ بدلا اور دماغ جواب دینے لگا۔ خیر میں نے ایک دن آرام دیا۔ تخفیف معلوم ہوئی اب آہستہ آہستہ چلا جاتا ہے۔ خیر۔ کام خدا کے فضل سے ہوگیا۔ مگر افسوس اس بات کا آتا ہے کہ بے وقت ہوا۔ خدا اس مرحوم کو اعلے علییّن میں مراتب قربت کرے۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو ان چھٹیوں میں خود جاتا اور سناتا۔ جب دل کا ارمان نکلتا۔ کیونکہ میں دیکھتا کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کس کس مقام پر کیا رائے لگاتے ہیں +

اب جو لکھنا تھا وہ میں نے لکھ لیا اور ہر ایک حال مسلسل بھی ہوگیا۔ جو کام باقی ہے وہ فقط اتنا ہے کہ کہیں کوئی فقرہ بڑھا دیا۔ کہیں دو کو ایک کر دیا۔ کہیں کوئی لفظ بدل دیا کہیں پس و پیش کر دیا۔ خیر اللہ سب مشکلوں کا آسان کرنے والا ہے

دیکھئے! تصویروں کے باب میں اتنا لکھا۔ جناب سید صاحب نے جواب بھی نہ دیا۔ میں نے ۸۰۰ تصویریں بہم پہنچائی ہیں جس طرح ہوگا انھیں سے اس گڑیا کو سنوار کر حاضر کر دونگا افسوس کہ فرصت نہیں۔ خیر۔ اب پھر *

محمد حسین آزاد

لاہور۔ بنگلہ ایوب شاہ
۱۰۔ اگست ۱۸۸۳ء

لاہور۔ بنگلہ ایوب شاہ ۔ ۱۴۔ اگست ۱۸۸۳ء

جناب من۔

تسلیم۔ مرحمت نامہ عالی نے شرف اعزاز بخشا مگر میں تحریر عریضہ میں مقصر رہا۔ الحمدللہ آپ کے جد کے تصدق سے نور چشم کو خدا نے فضل کیا کہ اڑھائی مہینے ہوئے اُسے پٹیالہ روانہ کر دیا۔ مگر جس دن آپ کا مرحمت نامہ پہنچا دوسرے دن اس کا خط آیا کہ لڑکا اس کا بہت علیل ہو گیا۔ میں بہت پریشان ہوا۔ اور یہاں سے ارسال ادویات کی فکر میں مصروف رہا۔ کچھ دل بھی ٹھکانے نہ رہا۔ شکر خدا کہ کل وہاں سے خط آیا جس سے گونہ اطمینان حاصل ہوا۔ تحریر جواب میں جو دیر ہوئی

معاف فرمائیگا۔

دو نسخے آبِ حیات حیدرآباد کو روانہ کر دیئے اور آپ کے بھائی صاحب کو عریضہ لکھدیا ہے کہ ایک نسخہ اپنے کتبخانہ میں رکھیں۔ دوسرے نسخہ کے لئے اس قدر مرحمت فرمائیں کہ ایک عریضہ میری طرف سے لکھوائیں۔ اور حضور نوّاب سیّد لائق علی خاں بہادر کی خدمت میں پیش فرمائیں +

جن جن نسخوں کے لیئے آپ نے ارقام فرمایا ہے۔ بیشک حصول مقاصد اور مطلب برآری کا رستہ یہی ہے مگر کیا کروں کہ طبیعت ایسی واقع نہیں ہوئی۔ میں ہمیشہ یک رخ بازی کھیلا ہوں اور خدا چاہے تو یہی چال چلونگا۔ جیت ہار خدا کے ہاتھ ہے۔ کبھی تو ہمارا پانسہ بھی سیدھا پڑیگا ؎

رسید مژدہ کہ ایّامِ غم نہ خواہد ماند   چنان نہ ماند چنین نیز ہم نہ خواہد ماند

امرت سر کے باب میں روز بندوبست کرتا ہوں۔ پھر یہی کہتا ہوں جو گھڑی اس کام میں صرف ہو جائے وہی غنیمت ہے۔ کاغذ گو پھیلے رہتے ہیں۔ آپ بیچ میں کبھی بیٹھا کبھی لیٹا رہتا ہوں اور کاٹ پھانس۔ کتر بیونت کئے جاتا ہوں۔ جو نقشہ میں نے رکھا تھا بہت خوب تھا۔ اس کے دادا اور پھر اس کے

والد میرے والد مرحوم کے پاس گئے۔ اُس کی سمجھ اور فراولت اچھی تھی۔ ۹ برس ۹ پھر عمر ۹ مہینا اور کھانا وغیرہ ذمہ لیا اور بلایا۔ اس بھلے مانس کو تپ دق نکلی۔ ڈیڑھ مہینے کے بعد کچھ وہ گیا کچھ میں نے رخصت کر دیا اب میں ہوں اور نامہ اعمال۔ غالباً دلی کا ایک سفر ضروری بلکہ مجبوری پیش آئیگا۔ اس میں آپکو سلام کرتا ہوا جاؤنگا ✤

حیدرآباد آپ بھی مرحمت فرما کر لکھ بھیجیں کہ حضور نواب صاحب بالقابہ کی خدمت میں کتاب پیش فرماویں اور جو کچھ مناسب ہو زبانی عرض فرماویں ✤

محمد حسین آزاد

جنابِ من

تسلیم۔ کاش ۱۵-۲۰ دن پہلے تشریف لے جاتے ہیں ضرور آپ کے ہمرکاب چلتا۔ اور ایک دو مشاعرے ایک دو جلسے لکچروں کے دیکھتا اور دکھاتا اب سوائے حسرت و ارمان کے کیا ہو سکتا ہے۔ آپ کا خط میں نے صبح کے ۱۰ بجے پایا۔ ارادہ ہوا کہ خود چلکر ملنے کا بندوبست سوچوں کہ اتنے میں مصوّر آیا جس کا کئی دنوں سے انتظار تھا۔ اسے راجہ مان سنگھ

اور ملاں دو پیازے کی تصویر دے رکھی تھی کہ نقل اُتار دے
مان سنگھ کی تصویر اور کے وزیر نے محبتِ قدیم کی رعایت سے
بھیجی ہے اور ملا دو پیازے کی تصویر بھی ایک جگہ سے ہاتھ
آئی۔ یہ بہت پُرانی اور سندی ہے مصوّر نے جو نقل اُتاری
وہ کئی جگہ سے قابلِ اصلاح ہے۔ ۱۰ بجے تک وہ بیٹھا اور
وعدہ کر گیا کہ کل پھر آونگا چونکہ اس کا ہاتھ آنا بھی مغتنمات سے
ہے اس لئے کل بھی نہیں حاضر ہو سکتا۔ انشاء اللہ پرسوں
حاضر خدمت ہونگا۔ آپ سے بڑی التجا یہی ہے کہ وہاں جاکر
تصویریں تلاش فرمائیں ؛

غالباً آپ کو بھی لکھ چکا ہوں کہ دو نسخے بصیغہ رجسٹری
آپ کے بھائی صاحب کی خدمت میں بھیجدیے ہیں۔
۲۴۔ اگست کو روانہ کئے تھے۔ اب تک رسید نہیں آئی۔
معلوم نہیں کہ آبِ حیات حضور جناب عالی کے ملاحظہ سے
بھی گذرا ہے یا نہیں اگر مناسب جانیں تو ذرہ کو نظر خورشید
تک پہنچائیں کسی قسم کی طلب یا اُمید نہیں ہے فقط اتنی
ہی خوشی مطلوب ہے جو ہر مصنّف کو اپنے کلام کے پھیلانے
میں ہوتی ہے ؛

اس خیال سے مبادا محروم الخدمت رہ جاؤں یہ نیاز نامہ لکھ کر روانہ کرتا ہوں خیر اندیش کے از بسیار کچھ باتیں تو آپ تک پہنچ جائیں +

آزاد ۔

لاہور۔ بنگلہ ایوب شاہ

۱۳۔ ستمبر ۱۸۸۶ء

جناب من!

تسلیم ۔ خان لنکران آج روانہ کیا ہے ۔ کل انشاء اللہ باریاب خدمت ہوگا ۔ اتوار پیر منگل چھٹی ہے ۔ خیال آیا کہ دن جمکر بیٹھونگا تو ماثر الامرا کا کام ختم ہو جائیگا ۔ جاؤنگا تو ایک دن صرف ہوگا ۔ اور حاصل فقط باتیں ۔ اس لیئے کتاب بھیجدینی چاہئے کوئی امر ضروری ہوگا تو امرت سر ہے کتنی دور ۔ ایک دم میں جاؤنگا ۔ اور پھر آؤنگا ۔ ہائے قائم نے کیا خوب کہا ہے ؎

مجلس وعظ تو تا دیر رہیگی قائم   یہ ہے میخانہ ۔ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

وقت تنگ ہے ۔ انشاء اللہ اب پھر ۔

آٹھ دن ہوئے ایک عریضہ لکھا تھا خدا جانے پہنچا ہے یا نہیں +

آزاد

۲۳ ۔ فروری ۱۸۸۴ء

جناب من!

تسلیم شنایہ گذشتہ کو۔۔۔ طالب علم کے ہاتھ خان لنگران کو ارسالِ خدمت کیا تھا۔ اور نیاز نامہ بذریعہ ڈاک روانہ کیا تھا۔ چونکہ اب تک جواب نہیں عنایت ہوا۔ اس لئے تردد ہے

تقصیر حضوری کے لئے معافی مانگ چکا ہوں۔ اور اب دوبارہ طلبگارِ عفو ہوں۔ مجھے ایک اور مشکل پیش آئی۔ صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج نے مجھے فرمایا۔ کہ آبِ حیات اور نیرنگِ خیال کو ہم نے اپنے کالج اور نورمل سکولوں کی پڑھائی میں داخل کر دیا ہے۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ جس طرح اس میں تاریخ زبانِ اردو کی آپ نے لکھی ہے ایسی ہی تاریخ اور تحقیق زبانِ فارسی کی ہو۔ کہ اسے فارسی کے کورس میں داخل کریں میں نے عرض کی کہ زبانِ فارسی میں ۱۰ لکچر میرے لکھے رکھے ہیں۔ اس میں زبانِ فارسی۔ نثر فارسی۔ نظم فارسی پر بھی ایک ایک لکچر ہے۔ پوچھا تیار ہے؟ میں نے کہا سب تیار ہیں۔ تجویز مناسب یہ معلوم ہوئی کہ میں انہیں چھپوا دوں۔ تقریباً ۳ سو صفحہ سے زیادہ کی کتاب ہوگی۔ قیمت میں کم رکھوں گا۔ ہر طالب علم لے سکیگا۔ صاحب اپنے سکیم میں لکھدیں کہ فلاں

کتاب میں سے فلاں فلاں لکچر بھی طلباء دیکھ لیں۔
یہ لکچر میں نے سنہ ۷۲ء میں دئے تھے۔ ان پر بھی نظر ثانی واجب ہے۔ اس لئے طبیعت متردد ہے۔ اور آج آنے کو ہمت نہیں پڑی ؛

لاہور۔ بنگلہ ایوب شاہ
۲- مارچ سنہ ۸۴ء

محمد حسین آزاد عفی عنہ

حضرت من !
تسلیم۔ کہیں کتاب کی قیمت نہ بھیج دیجئے گا۔ آپ نے مہر نہیں ملاحظہ فرمائی ؟ اگر آپ کو ایسی ہی پسند ہے تو میں ولائت سے منگا دوں ؟؛

حضور انور نے الحمد للہ کہ شفا پائی۔ میرے تو ہوش جاتے رہے تھے۔ خدا و مولے بنیاد دیں قائم رکھے۔ کل شفق میں نے دیکھا۔ معلوم ہوا کہ بلنٹ صاحب نے جو تعلیم کو دیکھ کر مراسلت بھیجی تھی۔ اس میں بڑا زور اس بات پر دیا تھا کہ مجھے ڈر ہے کہ انتظام موجودہ کی تعلیم میں لڑکے بدمذہب نہ ہو جائیں۔ مراسلت مذکور کے جواب میں جو کچھ انہیں لکھا گیا۔ اس میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جب تک یہ انتظام عمل میں آئے۔ بہتر ہے کہ آپ بھی

یہاں رہیں اور اپنی تجویز کے حسنِ عمل کو خود دیکھیں سبحان اللہ
انہیں اس سے زیادہ کیا چاہئے۔ مگر ملا ئے ۴ ہزار روپیہ مہینہ
مصارف ضروری کے لئے۔ بلکہ ہمیں فرمائیے تو نگرانی کیا کریں۔
شفق میں میں نے دو ٹائم ٹیبل بھی دیکھے۔ ایک حضور انور
کا۔ ایک سالار جنگ بہادر کا۔ اگر پہلے نقشہ پر عمل درآمد ہوا کرے
تو خوشا بحال ملک و مملکت۔ اور خدا چاہے تو طبیعت کا آجانا
کچھ بڑی بات نہیں۔ شوق طبع ہے۔ کاش انتظام اور آراستگی
ملک پر آجائے اور یہ خیال پیدا ہو جائے کہ ایک دفعہ وہ کر کے
دکھا دیجئے جو کبھی یہاں نہ ہوا ہو۔ اور اس وقت کہیں نہ ہو۔ دولت
کی محبت انسان کی سرشت میں داخل ہے شاید کفایت اور تکثیر
محاصل کی سیڑھی سے اس بلندی پر آسان پہنچ جائیں۔ خافی خاں
رقعات عالمگیری۔ اور مشہور حکایتوں اور روایتوں سے عالمگیر اور
نواب سعادت علیخان مرحوم کے حالات انہیں سنو لیجئے اور
ان کے لطائف و حکایات سے کان بھرتے رہیئے ؞

آزاد

۱۱۔ مارچ ۔ ۸۴ء

جنابِ من!

تسلیم۔ آپ تو ناحق گھبراتے ہیں۔ اور دیکھتا ہوں کہ ہر بات

میں گھبراتے ہیں۔ وہاں کا اخبار اسی طرح نکلتا ہے ہیں نے اور
مطابع میں دریافت کر لیا۔ جس وقت میرے پاس لفافہ پہنچیگا
انشاء اللہ اسی دن خدمت میں روانہ کیا کروں گا۔ کیا کروں
کیونکر آپ کے دل میں اعتبار پیدا کروں!

نوکری کے باب میں دیکھتا ہوں کہ وہی مایوسی کے گلے
ہیں یونیورسٹی پر آپ مجھے کیوں ڈالتے ہیں۔ یہ ہے کیا قحبہ!
آپ کے جد کی سرکار تو ہے حضرت! اس غلام زاد کو آزاد کرکے
وہ دست بردار نہیں ہوگی۔ انشاء اللہ آپ دیکھیں گے اس
سے بہتر صورت ہوگی۔ اور بدرجہا بہتر ہوگی۔

...... خوشا بحالِ آزاد کہ ۵۰ روپے پنشن بھی ہو جائے تو
ہزار ہزار شکر خدا کا بجا لائیگا اور بغلیں بجا بجا کر رقص کریگا +

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسبابِ جہاں
آنچہ ما در کار داریم اکثرش در کار نیست

آہا۔ پھر انشاء اللہ کیا خاطر جمع اور شگفتگیٔ طبع کے ساتھ تصنیفات
کو درست کروں +

محمد حسین آزاد

لاہور۔ بنگلہ ایوب شاہ ۲۰۔ اپریل ۱۸۸۴ء

جناب من!

تسلیم۔ کل یکم مئی کو ایک قطعۂ شفق ارسالِ خدمت کیا ہے خدا کرے پہنچ جائے۔ چاہتا ہوں کہ رجسٹری کروا کر بھیجوں مگر یہ سمجھ کر نہیں بھیجتا کہ دمڑی کی بڑھیا ٹکا سر منڈائی۔ آپ کیا کہینگے؟

الحمد للہ بندہ زادہ رڑکی پہنچ گیا۔ خدا و مولی حافظ و ناصر ہیں

جمال الدین خان کوئی افغان مضافاتِ کابل کا ہے اور پیرو ہے مہدی سوڈانی کا۔ اس نے پیرس میں آکر ایک اخبار عربی زبان میں جاری کیا ہے۔ مختلف مقامات ہندوستان میں بھی اس کے پرچے آئے ہیں۔ ۴ نمبر میری نظر سے بھی گذرے ارادہ ہے کہ خود لیکر حاضر خدمت ہوں۔ آپ نے وہاں کچھ چرچا اس کا سنا ہے یا نہیں۔ بھائی صاحب سے بھی لکھ کر حال دریافت فرمائیگا۔

وزیر لنکران کے قصہ میں جو الفاظ ہیں۔ اس کی واکیوبلیری میں سب موجود ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جو الفاظ اس میں ایسے ہیں کہ ہماری کتابوں میں یعنی برہانِ قاطع وغیرہ فارسی کی فرہنگوں میں نہیں ہیں۔ وہ آپ الگ لکھتے جائیے۔ آپ فرمائینگے کہ ہمیں کیا خبر ہے کہ کیا کیا الفاظ برہان میں نہیں۔ خیر میں خود چند گھنٹے صرف کرونگا۔

۲۔ مئی ۱۸۸۴ء آزاد

جنابِ من!

تسلیم - نامۂ نامی ایسی حالت میں پہنچا - کہ انتظار حدِ مایوسی کو پہنچ چکا تھا - پھر بھی غنیمت ہے کہ پہنچا تو سہی - میں نے تو آپ سے کہدیا تھا کہ اگست سے چھٹیاں شروع ہونگی - اور ۱۵ - اکتوبر کو ختم ہونگی - مگر آپ کو کب یاد رہتا ہے - دل بہت چاہتا ہے کہ وہیں آکر ملوں مگر فرصت کہاں؟ اور موقع کجا؟

میرا حال یہ ہے کہ ڈائرکٹر صاحب نے گورنمنٹ کے حکم بموجب لکھ بھیجا ہے کہ یکم اکتوبر سے میری تنخواہ یونیورسٹی سے ملا کرے - گویا اس تاریخ سے میں ان کے ماتحت سمجھا جاؤنگا - یا قسمت یا نصیب

فرصت کا حال یہ ہے کہ ۲۱ - جولائی کو یہاں امتحانِ ملازمت تھا - ۵۷۲ آدمی امتحان میں بیٹھے تھے - مجھے باوجود انکار کے فارسی کا ممتحن کیا - ۳ پرچے جس کے ۱۷۱۶ کاغذ دیکھنے پڑے ہیں - ایک پلنگ بھرا ہوا ہے - دیکھتا ہوں اور لہو خشک ہوتا ہے کہ آلٰہی یہ بوجھ کیونکر اُٹھیگا - ۱۵ - اگست کو ریزلٹ دینا ہے - فرمائیے کہ اس چھٹی کا مزا کیا ہوا - خدا گواہ ہے کہ بار بار انکار کیا - نہ قبول ہوا - ناچار طفل بہ مکتب نمیرود - و لے برندش -

انصاف کیجئے کہ اب تصنیف کے لئے طبیعت میں ذوق شوق

پیدا ہو تو کہاں سے ہو۔ برابر خطوط چلے آتے ہیں کہ فرمائیے دربار اکبری کا کیا حال۔ قندِ پارسی (گفتگوئے فارسی) کا کیا حال ہے۔ لیکچر وں کا کیا حال ہے۔ یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ آزاد کا کیا حال ہے۔

تحفۃ العوام کا عکس جو مطلوب ہے انشاء اللہ عنقریب دریافت کرکے عرض کرونگا۔

شفق کے پرچے الگ الماری میں رکھتا جاتا ہوں۔ تیار۔ آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ اس خط کا جواب آئے تو روانہ خدمت کروں +

میں جیسا تھا ویسا ہی ہوں۔ نہ ساون ہرا۔ نہ بھادوں سوکھا۔

ایک دن ایک صاحبزادے۔ جن کا قیافہ شرافت اصلی پر گواہ تھا تشریف لائے کہ بلگرام کا رہنے والا ہوں۔ سیّد ہوں یہاں پڑھنے آیا ہوں۔ سیّد مصطفیٰ نام ہے۔ سبحان اللہ۔

تاثیر ہے کیا خاک میں اس نجد کی کہدے — تو مجھ سے تو بارے
ہر پھر کے جو آنکلے ہے یاں ناقۂ لیلے — اے جذبِ محبت

بہرحال مجھے خیال ہوا کہ لڑکے ہیں۔ ناتجربہ کار ہیں۔ مبادا کہ گھر سے کسی بات پر ناراض ہو کر نکل کھڑے ہوئے ہوں۔ انہیں روک لیا۔ اور اسی دن آپ کے بھائی صاحب کو لکھا وہاں سے جواب

چہ معنی دارد - خیر - وہ حقیقت میں جیسے شریف ہیں ویسے ہی سعید ہیں - چنانچہ تیسرے دن جماعتِ اوّل گورنمنٹ سکول میں داخل کروا دیا ÷

دکن جانے کو دل بہت چاہتا ہے مگر دُور کا سفر ہے - دوسرے دوسو روپے کا خرچ ہے اور فائدہ کچھ بھی نہیں - فقط سیر تماشا - اِس لیے غور طلب امورات کی مد میں رکھا ہُوا ہے ÷

شفق ابھی آیا - اکثر پرچے آپ کے دیکھنے کے قابل ہیں -

بس حضرت اب پھر - دعا والتماس دُعا

آزاد
۲۷ - جولائی ۱۸۹۳ء

جنابِ من !

تسلیم - مجھے بھی کئی دن سے خیال تھا - الحمدللہ کہ خیر وعافیت معلوم ہوئی - بدلی سے یہ تو خوشی ہوئی کہ ایک دن لاہور کی منزل مین ملاقات ہوگی اور بہت سی باتین جو تحریر میں نہیں سماتیں - زبانی ادا ہونگی - مگر یہ خیال ہے کہ اب ہندوستان کیطرف ہٹتے چلے جائیں گے - خیر مین نے کونسا پنجاب سے نکاح کیا ہوا ہے ÷

سبحان اللہ - سکوّں کا شوق آپ کو کب ہُوا جبکہ سکوّن کی کان سے آپ جدا ہوتے ہیں - جہلم سے لیکر پشاور تک سکوّن کا گورستان ہے

مجھے آپ سے زیادہ شوق تھا۔ مگرہ برس ہوئے میرے ۲-۳سو سکے دفعتہً گم ہوگئے۔ ایسا صدمہ ہوا کہ اب تک جب خیال آتا ہے دِل تڑپ جاتا ہے۔ بیزار ہوگیا۔ اور خیال کا بھلانا مصلحت دیکھا۔ دُکان دکان پھر کر اور گدائی کرکے برسوں میں جمع کئے تھے۔ ہزاروں میں سے انتخاب کرکے رکھے تھے اور تمام گریکٹ تھے۔ ہائے افسوس۔ رنج ہوتا ہے۔ نہیں لکھا جاتا ہے ؛

آپ کے لئے جس قدر ممکن ہوگی کوشش کرونگا۔ جب لاہور کے قریب پلٹن پہنچے تو مجھے ضرور لکھئے گا۔

وہ سید مصطفےٰ خلف سید این علی صاحب بلگرامی یہاں بیمار ہوگئے۔ اُن کی بیماری نے طُول کھینچا۔ بخار ایسا لپٹا کہ نہائت ضعیف کردیا۔ آدمی کیا اور خدمت کیا۔ بیمار داری تیمارداری کیا۔ میرا لڑکا ایک دن خبر لایا۔ کہ میں گیا تھا۔ مجھے چند باتوں کے بعد اُنھوں نے پہچانا۔ یہ سُن کر میرا دل نہ رہ سکا۔ انہیں مکان پر لے آیا اب آپ کے جد کے تصدق سے اللہ نے مجھ روسیاہ کی دُعائیں قبول کیں۔ اور انہیں شفا دیدی۔ چنانچہ ۲۹۔ نومبر کو بخیر و عافیت روانۂ حیدرآباد ہوئے۔ اب یہ دُعا ہے کہ بخیر و سلامت اپنے بزرگوں کے پاس پہنچ جائیں۔

مولوی صاحب کو خط لکھئے تو میری طرف سے بھی تسلیم لکھئے گا۔ اور بھائی تو آزاد کو کیا جانیں گے۔ جواب ضرور لکھئے گا +

دُعا کا محتاج
۴۔ دسمبر ۱۸۸۴ء ۔ بندہ آزاد

عالی جناب من زاد اللہ اجلالکم۔ تسلیم۔ احمق کا قاعدہ ہے کہ اپنی تعریف سُن کر خوش ہوتا ہے۔ میرا یہ حمق حد سے بہت گذر گیا ہے۔ کہ تعریف سُن کر غصہ آتا ہے۔ بات یہ ہے کہ آپ میری تصنیف کے باب میں کچھ نہ کہا کریں۔ کیا کہوں فرصت تو ہے نہیں۔ اور دل یہ چاہتا ہے کہ آپ کے ایک ایک فقرہ کے جواب میں ایک ایک کتاب لکھوں +

اخلاق جلالی کو میرے ایک شاگرد نے سوالوں میں ترتیب دیا ہے انشاء اللہ جلد بھیجتا ہوں۔ آپ ہمیں بھول جائیے ہم تو آپ کو نہیں بھول سکتے۔ اُس کی انگریزی نہ دیکھا کیجئے۔ وقت ضائع ہوگا یہ سوالات انشاء اللہ امتحان کے لئے بہت مفید ہونگے۔

سفر کا سلسلہ نہیں ملاتا۔ انشاء اللہ سفر نامہ مرتب ہوگا تو دیکھئے گا گرامی کو میں خوب جانتا ہوں۔ یونیورسٹی پنجاب میں بھی پڑھا ہوا ہے۔ وہاں سے نکل کر بھی کئی سال تک مجھ سے ملتا رہا۔ ۱۲ برس کا سلسل مشتاق ہے۔ اور جس رنگ میں وہ لکھتا ہے۔ اُس میں آج

اوّل درجہ کا شاعر ہے۔ اس کی طبیعت خیال بند ہے۔ جلال اسیر قاسم مشہدی۔ ظہوری وغیرہ ہند میں اسی طرز میں کہتے تھے + افسوس کہ سخندان فارس مشتہر نہیں ہوا۔ جو میرے اس مختصر فرقہ کا مفصل مزا آجاتا....

میں نے سخندان فارس کو نظر ثانی کر کے رکھدیا ہے۔ چاہا کہ اب دربار اکبری کو سنبھالوں مگر مروت اور حمیت نے اجازت نہ دی کیونکہ اُستاد مرحوم شیخ ابراہیم ذوق کی بہت سی غزلیں قصیدے بے ترتیب پڑے ہیں۔ اور میں خوب جانتا ہوں کہ انکا ترتیب دینے والا میرے سوا دنیا میں کوئی نہیں۔ اگر میں اُن کے باب میں بے پرواہی کرونگا تو یہ اُنکی محنت کا نتیجہ جو دریا میں سے قطرہ رہگیا ہے۔ بے موت مرجائیگا اور اس سے زیادہ افسوس کا مقام کیا ہوگا۔ اُن کے حال پر افسوس نہیں۔ یہ میری غیرت اور حمیت پر افسوس ہے۔ چنانچہ اِس لئے اب اُسے سنبھالا ہے۔ اور اس میں یہ ارادہ کیا ہے کہ جس جس قصیدے یا غزل یا شعر کے موقع پر کوئی تقریب۔ کوئی معاملہ۔ یا معرکہ خاص پیش آیا تھا۔ وہ بھی نقل کروں۔ کیونکہ میں ہر وقت کا حاضر باش تھا۔ اور والد مرحوم اور وہ عالم طفولیت میں ساتھ رہے۔ آپ اس کے لطف کو تصوّر فرمائیے کہ آج تک کسی شاعر کا دیوان ایسا مرتّب نہ ہوا ہوگا۔ خدا انجام کو پہنچا دے +

آزاد۔ یکم ستمبر ۸۸ء

جنابِ من!

تسلیم۔ میرا اصل نیاز نامہ بھیجد یجئے۔ کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگرچہ ابھی تک ایسی حالت نہیں کہ انہیں کچھ فکر کرنا پڑے۔ لیکن ہر حال کی مسلسل اطلاع انہیں اچھی ہے۔۔۔۔۔۔ آپ انہیں احمق سمجھتے ہیں؟ ابتدائے مطلب برآری میں یہ لوگ احمق ہی ہوتے ہیں۔ کیونکہ جانتے ہیں احمق بنکر کام خوب نکلتا ہے۔ جب جال جم جاتا ہے۔ پھر دیکھئے کہ کیا عالم ہوتا ہے۔ مالک کل! اور تم کون؟ تمہیں کیا دخل؟ تمہیں کیا اختیار؟ +

ایک جز ان کی پالیسی کا یہ بھی ہے کہ فقط انگریزی پڑھاؤ۔ سائنس وغیرہ کچھ ضرور نہیں۔ لیکن آپ خیال کیجئے۔ علوم مذکورہ زبان کے لئے بہ منزلہ اعضائے رئیسہ کے ہیں۔ اگر وہ بالکل نہ ہوئے تو پھر آدمی کیا ہُوا؟ وہ تو حیوان ہُوا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ طرزِ خاص اور مقدار خاص تک ہوں +

پالیسی عجب لفظ ہے! کہیں اس کے معنے تجویز کے ہوتے ہیں۔ کہیں مصلحت۔ کہیں مصلحتِ وقت۔ کہیں حکمتِ عملی +

بس حضرت اب پھر۔

آزاد

لاہور بنگلہ ایوب شاہ

تسلیم - اللہ اللہ - اس وقت کیا دل خوش ہوا ہے - اور کیا غصہ
آیا ہے - میں تو صبر کر بیٹھا تھا - اب سلی ہوئی بارود کو آگ دینی کیا
ضرور تھی سبب مجھے آپ خط نہ لکھا کریں - ؎

دلربائی ہائے لیلی کرد مجنوں راخراب
ورنہ آن بیچارہ راکے میل گرفتاری نبود

خیر یہ تو باتیں جب مزا دیں کہ آپ اور میں آمنے سامنے بیٹھے ہوں
مطلب کی باتیں پہلے عرض کروں +

دیوان حافظ اخلاقِ جلالی ابوالفضل نولکشور نے چھاپی ہے اور
خوب محشی ہے - ایک ایک نسخہ لیجئے اور دیکھ ڈالئے - آپ کے نزدیک
کچھ بڑی بات نہیں - دیوان حافظ پر صوفیانہ حاشئے ہیں - خیر آپ اس
سے اپنا مطلب نکال سکتے ہیں - آپ کے دل پر ان کتابوں کا بھرم
بیٹھا ہوا ہے - اس لئے آپ دیکھتے نہیں - دیکھئے گا تو معلوم ہو جائیگا
آسان کام ہے - اخلاقِ جلالی پر جو حاشئے ہیں - وہ اس کے لئے کافی
ہیں - آپ خاطر جمع رکھیں ....

گفتگو کو آپ مشکل فرماتے ہیں - میں کہتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں -
لکھنؤ میں دو رسالے عربی ٹائپ لوگ دو شخصوں نے جدا جدا لکھے ہیں -
وہ کسی کو لکھدیجئے - بھیجدیگا - اور پڑھنا شروع کیجئے حفظ ہو جائینگے -

امتحان ہیں۔ اس کے یا اُسی قسم کے فقرے ممتحن بولے گا۔ آپ کو یہ بات مشکل نہیں ہوگی۔ کہ توڑ جوڑ کر کے اُلٹے سیدھے جواب دیں اور اس کی خاطر جمع کر دیں۔ ہمت نہ ہارئے۔ چپکے نہ رہئے گا۔ الٹا سیدھا جھوٹ سچ بولے جائیگا۔

زبانِ فارسی کی تاریخ میں پروفیسر آزاد ایک شخص ہیں۔ انہوں نے تین چار لیکچر خوب دئے ہیں۔ اور زبانِ مذکور کے اصول اور بہت حالات اور بھی لکھے ہیں۔ ۳-۴ سو صفحہ کی کتاب ہوگی۔ مگر افسوس ہے کہ وہ ابھی مسودے ہیں۔ نظر ثانی کر رہے ہیں۔ عجب نہیں کہ ہو جائے تو جلد چھپوا دیں +

ہاں قواعدِ فارسی میں ایک کتاب ڈائرکٹر صاحب کی فرمائش سے میں نے لکھی تھی۔ اس کا ایک نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ اور کتب خانہ آزاد سے فاصل ہے۔ وہ انشاء اللہ روانہ کرتا ہوں۔ (خدا کرے بھول نہ جاؤں)۔

آپ دیکھئے گا۔ قواعد کی کتاب ہے۔ اور اصول وضوابط بیان کئے ہیں اور پھر دیکھئے کہ طرزِ بیان کو ہاتھ سے نہیں کھویا۔ یہ بھی دیکھئے گا کہ مثالیں کیا خوش آیندہ بہم پہنچائی ہیں اور زبان کو اور محاورہ کو کس قدر قوت دیتی ہیں۔ خدا کرے آپکو پسند آجائے۔

ہاں کیا خوب یاد آیا ہے بمبئی میں ایک کتاب کسی نے چھاپی ہے۔ دیباچۂ رومی۔ اس میں ترکی اور عربی کی گفتگو لکھی ہے۔ اور اس قدر مبسوط ہے کہ اگر آپ اسے یاد کر لینگے تو کافی ووافی ہوگی۔ وہ بھی منگوا لیجئے۔ اگر نہ ملے تو مجھے لکھئے۔ کتبخانۂ آزاد میں ہے۔ فوراً ارسالِ خدمت کر دونگا +

(آزاد)

عالی جناب من تسلیم۔ مدت گذر گئی کہ خدمت سے مقصر ہوں۔
مگر عالمِ مجبوری ہے۔ کہ آب حیات میں غوطے کھا رہا ہوں۔ انشاء اللہ
ایک مہینے کا کام اور ہے +

حیدر آباد کے حالات اتنے ہی معلوم ہیں جتنے اخباروں میں
لکھے جاتے ہیں اڈیٹر شفق اتنے اختیار اور اتنے عہدہ کو نواب لائق علی خان
کے لئے کافی نہیں سمجھے۔ میری عقل ناقص میں غل مچانے سے کچھ حاصل
نہیں۔ گورنمنٹ کو جو کرنا تھا وہ کر دیا۔ جو کچھ ہو گیا۔ وہی مناسب
ہے۔ اب نہائت خاموشی اور عرق ریزی سے اس کی تعمیل کرنی چاہیے
لیکن اتنا خیال ضرور ہے کہ سکرٹری ہیں۔ صاحب قلم نہیں۔ فقط قلم
ہو جائیں۔ جو کہا سو کر دیا۔ جو حکم دیا اس کی تعمیل کر کے لکھ دیا۔ اپنی طرف سے
سرِ مو دخل نہ دیں۔ میں نے کئی جگہ دیکھ کر ایسے مواقع کا تجربہ حاصل کیا
جب بالیاقت شخص بے لیاقت اشخاص کے ماتحت ہو جاتا ہے تو اس
سے بے ضابطگی دیکھی نہیں جاتی۔ خواہ مخواہ بول اٹھتا ہے۔ اسے یہ بھی خیال
ہوتا ہے کہ میری ہدایت سے یہ لوگ میرے احسانمند ہونگے۔ اور میری
لیاقت کو تسلیم کرینگے۔ لیکن برخلاف اس کے وہ لوگ اس کی بات کو
رد کرتے ہیں۔ موتیوں کو خاک میں ملاتے ہیں اور کبھی کچھ اس کی صورت
کو ادل بدل کر کام میں بھی لاتے ہیں اور جن باتوں سے ناواقف ہوتے ہیں

انہیں سکھے جاتے ہیں اور تردید کرتے جاتے ہیں۔ اور اس شخص کی عقل و دانش کو دیکھ کر اور زیادہ خطر دل میں پیدا کرتے ہیں۔ ان لحاظوں سے جہاں تک ہو سکے بیوقوف بنکر چپ چپ کام کئے جانا چاہیئے۔ اور لیاقت اور معلومات کو دبائے ہوئے احکام کی تعمیل بڑی کوشش سے کئے جاتی چاہیئے ...... اس موقع پر بڑی دانائی یہی ہے کہ اپنی آگاہی اور لیاقت دبائے ہوئے سب کے ساتھ ساتھ بلکہ پیچھے پیچھے چلے چلیں +

تا محتسب نگوئید اسرار عشق و مستی   تا بے خبر بمیرد در بند خود پرستی

(آزاد)

جناب من۔ تسلیم۔ آپ کو معلوم ہے کہ ۲۶ دن تک پولوس مقدس کا لاہور میں نزول رہا۔ ایک عالم تہ و بالا تھا۔ آزاد بھی اُنہی کی گرفتاری میں رہا۔ اس لیئے نیاز نامہ نہ لکھ سکا +

جس فارسی ڈراما کا آپ نے حال بیان فرمایا تھا۔ وہ میں نے لیکر دیکھا پھر اُس کی قیمت ہے اس لیئے خرید کر بھیجنا مناسب نہیں سمجھا۔ آج کل میں یہاں سے کتب خانہ گورنمنٹ سکول کے لئے امرت سر کو کتابیں روانہ ہونے والی ہیں۔ اُن میں اُسے بھی لکھوا دیا ہے۔ عنقریب وہاں پہنچیگا۔ اور میں بھی لکھونگا۔ وہاں سے لیکر دیکھیئے گا۔ یا میں خود لیکر حاضر ہونگا۔ نسخہ مذکور جب تک جی چاہے اپنے پاس رکھیئے گا +

میں نے اُسے دیکھا۔ اتنی بات ضرور ہے کہ لکھنے والے نے جو کچھ لکھا
ہے ڈراما کے اصول کے بالکل مطابق لکھا ہے اور نتیجہ بھی برجستہ نکالا ہے
یعنی بڑھاپے کی شادی اور خصوصاً دوسری شادی کی تکلیفیں اور قباحتیں
جتائی ہیں۔ لیکن چونکہ ابتدائی تصنیف ہے۔ اس لئے تحریر میں پھیلاؤ
اور بات کو بڑھانا۔ اور مزے لے لے کر کہنا۔ کوئی مصرع۔ کوئی فقرہ مقفیٰ۔
کوئی لطیفہ کوئی چٹکلا وغیرہ وغیرہ۔ یہ لطف ابھی نہیں پیدا ہوئے خیر جو
کچھ کیا ہے۔ نہایت غنیمت ہے۔ عربی۔ فارسی میں یہ شاخ انشا پردازی
کی بالکل نہ تھی۔ بڑی بات ہے کہ زمینِ سخن میں ایک قلم تو لگائی۔ شاخ و
برگ بھی نکل آئینگے۔ گل پھول بھی کھل جائینگے۔ ابتدا میں ایسا ہی ہوتا
ہے۔ اگر زمانہ فرصت دے تو انشاء اللہ اردو میں ایک ڈراما لکھ کر میں
بھی نمونہ دونگا۔ دل تو بہت کچھ چاہتا ہے۔ مگر اکیلا آدمی۔ اور بے سامان
کیا کیا کچھ کرے۔ ع

یک دل و خیلِ آرزو دل بہ کجا کجا نہم
سینہ تمام داغ داغ پنبہ کجا کجا نہم

(آزاد)